مرزا غالب کے خطوط سے ترتیب دی ہوئی

سرگذشتِ غالب

مرتبہ

ناصر عابدی

الکتاب آرام باغ روڈ۔ کراچی ۱

میں اپنی مرتب کی ہوئی اس کتاب

"سرگذشتِ غالب" کو اپنے محسن شیخ محمد طفیل صاحب کے نام

معنون کرتا ہوں جن کے پرخلوص مشورے، مشفقانہ رویے

اور عالی امداد سے استفادہ کرتے ہوئے میں نے اپنی زندگی کو

کسی حد متوازن کیا ہے۔

ناصر عابدی

عرضِ ناشر

سرگذشتِ غالبؔ

انمول نکتے

مرزا غالبؔ کے لطائف وظرائف

ڈیزائن	محمد رضی
کتابت	بشیر احمد
مطبع	جاوید پریس
جلد ساز	فاروق بائنڈر
تعداد اشاعت	ایک ہزار
تاریخ اشاعت	یکم اکتوبر ۱۹۶۵ء
ناشر	سید ناصر علی عابدی
قیمت	دو روپے صرف (۲)

عرضِ ناشر

جب مرزا اسداللہ خاں غالب مرحوم کی دو کتابیں

شرح دیوانِ غالب از حسرت موہانی

محاسنِ کلامِ غالب ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری

شائع اور دوسری دو کتابیں

عودِ ہندی مرزا غالب خطوط اور

اردوئے معلّیٰ " "

کاتب کی نذر کرچکا تو احساس ہوا کہ مرزا غالب کا اُردو نثری سرمایہ تو تقریباً اِین جانب کے ہاتھوں لٹ چکا ہے۔ اور مرزا غالب کے نام پہ کوئی بٹّہ بھی نہیں لگا۔ سوائے کچھ کاتب کی دست درازی اور کچھ پریس کی سیاہی کے دھبّے۔ یہ دیکھ کر جان ہی تو جل رہ گئی۔ سوچا مرزا غالب بڑے پلّے کے شاعر تھے اور بڑی اعلیٰ ظرف طبیعت کے مالک بھی (یقین نہ آئے تو ان کے چھنے والی بات یاد کر لیجئے) ان معمولی چرکوں کا ان پر اثر بھی نہ ہوگا مجھے تو کوئی گہرا زخم لگانا چاہئے۔ چنانچہ ان کی مٹّی پلید کرنے کے لئے میں نے انھیں کے خطوط سے ان کی سوانح حیات مرتب کردی میرا خیال ہے کہ میری اس "حرکت" سے ان کی روح بہت خوش ہوگی اور شائد آپ کی طبیعت بھی۔

ناصر عابدی

سرگذشت غالب

خاندان و نسب میں قوم کا ترک سلجوقی ہوں ۔ دادا میرا ماوراء النہر سے شاہ عالم کے وقت میں ہندوستان میں آیا ۔ سلطنت ضعیف ہو چکی تھی صرف پچاس گھوڑے نقارہ نشان سے شاہ عالم کا نوکر ہوا ۔ ایک پرگنہ سیر حاصل ذات کی تنخواہ اور رسالہ کی تنخواہ میں پایا ۔ بعد انتقال اس کے جو طوائف الملوکی کا ہنگامہ گرم تھا وہ علاقہ نہ رہا ۔ باپ میرا عبداللہ بیگ خاں بہادر لکھنؤ جا کر نواب آصف الدولہ کا نوکر ہوا ۔ پھر حیدرآباد میں نواب نظام علی خاں کا ملازم ہوا وہ نوکری ایک خانہ جنگی کے بکھیڑے میں جاتی رہی ۔ والد نے گھبرا کر الور کا قصد کیا ۔ راو راجہ بختاور سنگھ کا نوکر ہوا ۔ وہاں کسی لڑائی میں مارا گیا ۔ نصر اللہ بیگ خاں بہادر میرا چچا حقیقی مرہٹوں کی طرف سے اکبرآباد کا صوبہ دار تھا ۔ اس نے مجھے پالا ۔ ۱۸۰۶ء میں جب جنرل لیک صاحب ۔ ۔ ۔   حکم دیا ۔ چار سو سواروں کا برگیڈیر ہوا ایک ہزار سات سو روپیہ   کا اور لاکھ ڈیڑھ لاکھ روپیہ سال کی جاگیر حین حیات علاوہ سال بھر مرزبانی کی کی کر بمرگِ ناگاہ مر گیا ۔ رسالہ برطرف ہو گیا ۔ ملک کے عوض نقدی مقرر ہو گئی ۔

پیدائش عالم دو ہیں ۔ ایک عالمِ ارواح اور ایک عالمِ آب و گل ۔ قاعدہ عام

یہ ہے کہ عالمِ آب و گِل کے مجرم عالمِ ارواح میں سزا پاتے ہیں لیکن یوں بھی ہوا ہے کہ عالمِ ارواح کے گنہگار کو دنیا میں بھیج کر سزا دیتے ہیں۔ چنانچہ میں آٹھویں رجب ۱۲۱۲ھ / ۱۷۹۷ء میں روبکاری کے واسطے یہاں بھیجا گیا۔

لڑکپن اور تعلیم میرا حقیقی بھائی کل ایک تھا وہ تیس برس دیوانہ رہ کر مر گیا۔ پانچ برس کا تھا جو باپ مر گیا۔ آٹھ برس کا تھا جو چچا مر گیا۔ مجھ کو مبدا فیاض کے سوا کسی سے تلمذ نہیں ہے۔ عبدالصمد[1] محض ایک فرضی نام ہے چونکہ مجھ کو لوگ بے اُستادا کہتے تھے ان کا منہ بند کرنے کو ایک فرضی اُستاد گھڑ لیا ہے۔

حُلیہ میرا قد درازی میں انگشت نما ہے۔ جب میں جیتا تھا تو میرا رنگ چمپئی تھا اور دیدہ ور لوگ اس کی ستائش کیا کرتے تھے۔ اب جب کبھی مجھ کو وہ اپنا رنگ یاد آتا ہے تو چھاتی پر سانپ سا پھر جاتا ہے۔ جب داڑھی مونچھ میں بال سفید آ گئے تیسرے چونٹی کے انڈے گالوں پر نظر

---

[1] عبدالصمد ایک نو مسلم شخص تھا جس کا نام آتش پرستی کے زمانہ میں ہرمزد تھا اور وہ غالباً آگرہ میں بطور سیاح کے پہنچ گیا تھا۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ مرزا نے اس سے کوئی باقاعدہ تعلیم نہ پائی ہو لیکن اس میں شک نہیں ہو سکتا کہ وہ اس کی صحبت سے مستفیض ہوتے تھے اور عبدالصمد ضرور ایک پارسی نژاد شخص تھا کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو مرزا جا بجا اپنی تحریروں میں اس کے تلمذ پر فخر نہ کرتے مرزا کا یہ قول کہ میں نے لوگوں کا منہ بند کرنے کے لئے یہ فرضی نام گھڑ لیا ہے مزاح معلوم ہوتا ہے۔

آنے لگے۔ اس سے بڑھ کر یہ ہوا کہ آگے کے دو دانت گئے ناچار مسی بھی چھوڑنی اور داڑھی بھی منڈوانی۔
گو بھی یاد رہے کہ اس بھونڈے شہر میں ایک دردی عام ہے۔ ملا حافظ بلبساتی نیچہ بند دعوتی بیتے بیٹھیا رہ جو لاہر کنجر امتہ پر ڈاڑھی رکھتا ہے۔ سر پہ بال فقیر تھے جس دن داڑھی رکھی اسی دن سر منڈایا۔

مذہب | مسائل دیکھنا اور مسائل ..... نفاس میں غوطہ مارنا اور ہے اور عرفا کے کلام سے حقیقت حق وحدت وجود کو اپنے دل نشین کرنا اور ہے مشرک وہ ہیں جو وجود کو واجب و ممکن میں مشترک جانتے ہیں۔ مشرک وہ ہیں جو مسیلمہ کو نبوت میں خاتم المرسلین کا شریک گردانتے ہیں مشرک وہ ہیں جو نو مسلموں کو ابو الائمہ کا ہمسر جانتے ہیں۔ دوزخ ان لوگوں کے واسطے ہے۔ میں موحد خالص اور مومن کامل ہوں زبان سے لا الٰہ الا اللہ کہتا ہوں اور دل میں لا موجود الا اللہ لا مؤثر فی الوجود الا اللہ سمجھے ہوئے ہوں۔ انبیا سب واجب التعظیم اور اپنے اپنے وقت میں سب مفترض الاطاعت تھے۔ محمد علیہ السلام پر نبوت ختم ہوئی۔ یہ خاتم المرسلین اور رحمۃ للعالمین ہیں۔ مقطع نبوت کا مطلع امامت نہ اجماعی بلکہ من اللہ ہے اور امام من اللہ علی علیہ السلام ہیں ثم حسن ثم حسین اسی طرح تا مہدی موعود علیہ السلام

ع بریں زیستم ہم بریں بگذرم

ہاں اتنی بات اور ہے کہ اباحت اور زندقہ کو مردود اور شراب کو حرام اور اپنے کو عاصی سمجھتا ہوں۔ اگر مجھ کو دوزخ میں ڈالیں گے تو میرا جلانا مقصود نہ ہوگا بلکہ دوزخ کا ایندھن ہوں گا اور دوزخ کی آنچ کو تیز کروں گا تاکہ مشرکین اور منکرین نبوت

مصطفوی و دامت مرتضوی اس میں جلیں۔

مجھ میں کوئی بات مسلمانی کی نہیں ہے۔ پھر میں نہیں جانتا کہ مسلمانوں کی ذلت پر مجھ کو کیوں اس قدر رنج و تاسف ہوتا ہے۔

صوفی صافی ہوں اور حضرات صوفیہ حفظ مراتب ملحوظ رکھتے ہیں۔ ع

گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی

شاہ محمد اعظم صاحب خلیفہ تھے مولٰنا فخرالدین صاحب کے اور میں مرید ہوں اس خاندان کا۔

شادی اور اولاد | یترہ برس حوالات میں رہا[1]۔ ۷ رجب ۱۲۲۵ھ کو میرے واسطے حکم دوام حبس صادر ہوا۔ ایک بیڑی میرے پاؤں میں ڈال دی اور دلّی شہر کو زندان مقرر کیا مجھے اس زنداں میں ڈال دیا مگر نظم و نثر کو مشقت ٹھہرایا۔ برسوں کے بعد اس جیل خانہ سے بھاگا تین برس بلادِ مشرقیہ میں پھرتا رہا۔ پایان کار مجھے کلکتہ سے پکڑ لائے اور پھر اسی مجلس میں بٹھا دیا۔ جب دیکھا قیدی گریز پا ہے۔ دو ہتھکڑیاں[2] اور بڑھا دیں۔

---

[1] یترہ برس کی عمر میں مرزا کی شادی مرزا الٰہی بخش خاں معروف کے یہاں ہوئی تھی۔ حوالات سے مراد وہ زمانہ ہے جو عالم تجرید میں گذرا ۱۲

[2] ہتھکڑیوں سے مراد زین العابدین خاں عارف کے دو لڑکوں سے ہے جن کو مرزا نے اپنی حقیقی اولاد کی طرح پرورش کیا تھا۔ مرزا کے اپنی اولاد زندہ نہ رہی سات بچے ہو کر مر گئے ۱۲

کلکتہ کا سفر | میں کلکتہ[1] گیا۔ نواب گورنر جنرل سے ملنے کی درخواست کی۔ دفتر دیکھا گیا۔ میری ریاست کا حال معلوم کیا گیا۔ ملازمت ہوئی سات پارچے اور جیغہ، سرپیچ مالائے مروارید، یہ رقم خلعت ملا

دہلی سے رامپور میں نے دلی کو چھوڑا رامپور چلا۔ پنجشنبہ ۱۹ر جنوری ۱۸۶۰ء کو مرادنگر اور جمعہ ۲۰ر کو میرٹھ پہنچا۔ شنبہ ۲۱ر کو بھائی مصطفیٰ خاں کے کہنے سے قیام کیا۔ شاہجہانپور گڈھ مکتیشر، مراد آباد ہوتا ہوا رامپور بھی گیا۔ رئیس کی طرف سے بطریق وکیل محکمۂ کمشنری میں معین نہیں ہوں۔ جس طرح امراء واسطے نقراہ کے وجہ معاش مقرر کر دیتے ہیں۔ اسی طرح میرے واسطے مقرر ہے۔ ہاں فقیر سے دعائے خیر اور مجھ سے اصلاح نظم مطلوب ہے، چاہوں

---

[1] دہلی سے کلکتہ جاتے ہوئے مرزا لکھنؤ بھی گئے تھے جس کا ایک قطعہ میں اس طرح ذکر کیا ہے۔ ؎

لکھنؤ آنے کا باعث نہیں کھلتا یعنی — ہوس سیر و تماشا، سو وہ کم ہے ہم کو
مقطعِ سلسلۂ شوق نہیں ہے یہ شہر — عزمِ سیرِ نجف و طوفِ حرم ہے ہم کو
لائی ہے معتمد الدولہ بہادر کی امید — جادۂ رہ کششِ کافِ کرم ہے ہم کو

مرزا لکھتے ہیں:۔

"ہنگامہ دیوانگی برادر یک طرف و غوغائے دام خواہاں یک سو۔ آشوبے پدید آمد کہ نفس آہ ب نگاہ روزن چشم فراموش کرد گیتی بدیں روشنی روشناں در نظر تیرہ تار شد بالبے از سخن دوختہ و چشمے از خویش فرو بستہ جہاں جہاں شکستگی و عالم عالم خستگی با خود گرفتم۔ تا ز بید اور و نگار نالاں و سینہ بر دم تیغ مالاں بہ کلکتہ رسیدم"

دلی رہوں سچا ہوں اکبر آباد، جا ہوں لوہارو، رامپور میرے واسطے دارالسرور ہی جو لطف یہاں ہے وہ اور کہاں ہے۔ پانی سبحان اللہ شہر سے تین سو قدم پر ایک دریا ہے اور کوسی اس کا نام ہے بے شبہ چشمہ آب حیات کی کوئی سوت اس میں ملی ہے۔ خیر اگر یوں ہے تو آبحیات عمر بڑھاتا ہے لیکن اتنا شیریں کہاں ہوگا۔

شاعری اور تصنیف خاکسار نے ابتدائے سن تمیز میں اردو زبان میں سخن سرائی کی ہے پھر اوسط عمر میں بادشاہ دہلی کا نوکر ہو کر چند روز اسی روش پر خامہ فرسائی کی ہے نظم و نثر کا عاشق و مائل ہوں۔ ہندوستان میں رہتا ہوں مگر تیغ اصفہانی کا گھائل ہوں جہاں تک زور چل سکا فارسی زبان میں بہت بکا۔ ایک اُردو کا دیوان ہزار بارہ سو بیت کا ایک فارسی کا دیوان دس ہزار کئی سو بیت کا۔ تین رسالے نثر کے۔ یہ پانچ نسخے مرتب ہو گئے اب اور کیا کہوں گا مدح کا صلہ نہ غزل کی داد نہ پائی۔ ہرزہ گوئی میں ساری عمر گنوائی گیارھویں مئی ۱۸۵۷ء سے ۳۱ جولائی تک کی روداد نثر میں بہ عبارت فارسی ناآمیختہ بعربی لکھی ہے اور وہ ۱۵ سطر کے مسطر سے چار جزو کی کتاب آگرہ کے مفید الاخلاق میں چھپی ہے۔ دستنبو اس کا نام رکھا ہے اور اس میں صرف اپنی سرگذشت اور اپنے مشاہدے کے بیان سے کام رکھا ہے۔

زبان فارسی میں خطوں کا لکھنا پہلے سے متروک ہے۔ پیرانہ سری اور ضعف کے صدموں سے محنت پژدہی اور جگر کاوی کی قوت مجھ میں نہ رہی۔ حرارت غریزی کا زوال ہے اور یہ حالت ہے۔

مضمحل ہو گئے قویٰ غالبؔ   اب عناصر میں اعتدال کہاں

عالمِ شباب مغل بچے غضب ہوتے ہیں جس پر مرتے ہیں اس کو مار رکھتے ہیں۔ میں بھی مغل بچہ ہوں۔ عمر بھر میں ایک بڑی ستم پیشہ ڈومنی کو میں نے بھی مار رکھا ہے۔

میں جب بہشت کا تصور کرتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ اگر مغفرت ہو گی اور ایک قصر اور ایک حور میں اقامت جاودانی ہے اور اسی ایک نیک بخت کے ساتھ زندگانی ہے اس تصور سے جی گھبراتا ہے۔ کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ وہ حور اجیرن ہو جائے گی طبیعت کیوں نہ گھبرائے گی۔ وہ زمردیں کاخ اور طوبیٰ کی ایک شاخ چشم بد دور وہی ایک حور۔

مالی حالت اور افلاس نہ جزا نہ سزا۔ نہ نفریں نہ آفریں۔ نہ عدل نہ ظلم۔ نہ لطف نہ قہر۔ پندرہ دن پہلے تک دن کو روٹی رات کو شراب ملتی تھی اب صرف روٹی ملی جاتی ہے۔ شراب نہیں کپڑا، ایام تنعم کا بنا ہوا ابھی ہے۔ اس کی کچھ فکر نہیں ہے۔ اس ناداری کے زمانہ میں جس قدر کپڑا اور اوڑھنا بچھونا گھر میں تھا سب بیچ بیچ کر کھا لیا گیا اور لوگ روٹی کھاتے تھے اور میں کپڑا کھاتا تھا۔ بے رزق جینے کا ڈھب مجھ کو آگیا ہے۔ رمضان کا مہینہ روزہ کھا کھا کر کاٹا آئندہ خدا رازق ہے۔ کچھ اور کھانے کو نہ ملا تو غم تو ہے۔ بس جب ایک چیز کھانے کو ہوئی اگرچہ غم ہی ہو تو غم کیا ہے۔

قید ہونے کا واقعہ کوتوال دشمن تھا اور مجسٹریٹ ناواقف۔ فتنہ گھات میں تھا اور ستارہ گردش میں۔ باوجودیکہ مجسٹریٹ کوتوال کا حاکم ہے۔ میرے باب میں وہ کوتوال کا محکوم بن گیا۔ اور میری قید کا حکم صادر کر دیا۔ سیشن جج باوجودیکہ میرا دوست تھا

اور ہمیشہ مجھ سے دوستی اور مہربانی کے برتاؤ برتتا تھا اور اکثر صحبتوں میں بے تکلفانہ ملتا تھا اس نے بھی اغماض اور تغافل اختیار کیا۔ صدر میں اپیل کیا گیا مگر کسی نے نہ سنا اور وہی حکم بحال رہا۔ پھر معلوم نہیں کہ کیا باعث ہوا کہ جب آدھی میعاد گذر گئی تو مجسٹریٹ کو رحم آیا۔ اور صدر میں میری رپورٹ کی اور وہاں سے حکم رہائی کا آگیا۔ اور حکام صدر نے ایسی رپورٹ بھیجنے پر اس کی بہت تعریف کی۔ سنا ہے کہ رحم دل حاکموں نے مجسٹریٹ کو بہت نفریں کی اور میری خاکساری اور آزادہ روی سے اس کو مطلع کیا۔ یہاں تک کہ اس نے خود بخود میری رہائی کی رپورٹ بھیجدی۔ اگرچہ میں ہر کام کو خدا کی طرف سے سمجھتا ہوں اور خدا سے لڑا نہیں جا سکتا جو کچھ گذرا اس کے ننگ سے آزاد اور جو کچھ گذرنے والا ہے اس پر راضی ہوں۔ مگر آرزو کرنا آئین عبودیت کے خلاف نہیں ہے۔ میری یہ آرزو ہے کہ اب دنیا میں نہ رہوں اور اگر رہوں تو ہندوستان میں نہ رہوں۔ روم ہے مصر ہے، ایران ہے، بغداد ہے۔ یہ بھی جانے دو خود کعبہ آزادوں کی جائے پناہ ہے اور آستانہ رحمۃ للعالمین دلدادوں کی تکیہ گاہ ہے۔ دیکھئے وہ وقت کب آئے گا۔ کہ درماندگی کی قید سے جو اس گذری ہوئی قید سے زیادہ جاں فرسا ہے، نجات پاؤں اور بغیر اس کے کہ کوئی منزل مقصود قرار دوں سر بصحرا نکل جاؤں، یہ ہے جو کچھ مجھ پہ گذرا ہے۔ یہ ہے جس کا میں آرزومند ہوں۔ ؎

راز دانا غم رسوائی جاوید بلا است	بہر آزار غم از قید فرنگم نبود
جور اعدا ردداز دل بہ رہائی لیکن	طعن احباب کم از زخم خدنگم نبود

غدر اور اس کے بعد کے حالات مئی ۱۸۵۷ء میں ملک نے یہ فتنہ اٹھایا۔ ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو پہر دن چڑھے وہ فوج باغی میرٹھ سے دلی آئی تھی یا خود قہر الٰہی تھا کہ پے در پے نزول ہوا تھا۔ بقدر خصوصیت دلی ممتاز ہے ورنہ سرتاسر قلمرو ہند میں فتنہ و بلا کا دروازہ باز ہے انا للہ وانا الیہ راجعون

غدر میں میرا گھر نہیں لٹا مگر میرا کلام میرے پاس کب تھا کہ نہ لٹتا۔ بھائی ضیاء الدین خاں صاحب اور ناظر حسین مرزا صاحب ہندی و فارسی نظم و نثر کے مسودات مجھ سے لے کر اپنے پاس جمع کر لیا کرتے تھے سو ان دونوں گھروں پر جھاڑو پھر گئی۔ نہ کتاب رہی نہ اسباب رہا۔ پھر اب میں اپنا کلام کہاں سے لاؤں۔ اسی ہنگامہ میں ایک روز کچھ گورے میرے مکان میں گھس آئے تھے مگر انھوں نے اپنی نیک خوئی سے گھر کے اسباب کو بالکل نہیں چھیڑا۔ مگر مجھے اور میرے دونوں بچوں کو اور دو تین نوکروں کو مع چند ہمسایوں کے کرنیل براؤن کے روبرو جو میرے مکان کے قریب حاجی قطب الدین سوداگر کے گھر مقیم تھے لے گئے۔ کرنیل براؤن نے بہت نرمی اور انسانیت سے سارا حال پوچھا اور رخصت کر دیا۔

۱۸۵۷ء میں امن ہوا۔ حکیم احسن اللہ خاں کے مکانات پھر ان کو مل گئے ہیں اور یہ حکم ہے کہ شہر سے باہر نہ جاؤ۔ دروازے سے باہر نہ نکلو اپنے گھر میں بیٹھے رہو۔ نواب حامد علیخاں کے مکانات سب ضبط ہو گئے۔ وہ قاضی کے حوض پر کرایہ کے مکانات میں مع بال بچوں کے رہتے ہیں۔ باہر جانے کا حکم ان کو بھی نہیں۔ میرزا الٰہی بخش کو حکم کرانچی بندر جانے کا ہے انھوں نے زمین پکڑلی ہے۔ سلطانجی میں رہتے ہیں۔ دیکھیے یہ جبر اٹھ جائے یا خود اٹھ

نواب مصطفےٰ خاں بہ معیاد سات برس کے قید ہو گئے تھے سو اُن کی تقصیر معاف ہوئی اور ان کو رہائی ملی صرف رہائی کا حکم آیا ہے جہانگیر آباد کی زمینداری اور دلی کی املاک اور پنشن کے باب میں ہنوز کچھ حکم نہیں ہوا۔ ناچار وہ رہا ہو کر میرٹھ ہی میں ایک دوست کے مکان میں ٹھہرے ہیں۔ میں مجرد اس خبر کی استماع کے ڈاک میں بیٹھ کر میرٹھ گیا۔ اُن کو دیکھا۔ چار دن وہاں رہا۔ پھر ڈاک میں اپنے گھر آیا۔ تاریخ آنے جانے کی یاد نہیں مگر ہفتہ کو گیا اور منگل کو آیا آج بدھ دوم فروری ہے مجھ کو آئے ہوئے نواں دن ہے۔

مسموع ہوا ہے کہ ایک محکمہ لاہور میں معاوضہ نقصان رعایا کے واسطے تجویز ہوا ہے اور حکم ہوا ہے کہ جو رعیت کا مال کالوں نے لوٹا ہے البتہ اس کا معاوضہ بحساب دہ یک سرکار سے ہوگا۔ یعنی ہزار روپیہ مانگنے والے کو سو روپیہ ملیں گے۔ اور جو گوروں کے وقت کی غارت گری ہے وہ ہدر اور بحل ہے اس کا معاوضہ نہ ہوگا۔

جو احکام کہ دلی میں صادر ہوتے ہیں وہ احکام قضا و قدر ہیں۔ ان کا مرافعہ کہیں نہیں۔ اب یوں سمجھو کہ نہ ہم کبھی کہیں کے رئیس تھے نہ جاہ و حشم رکھتے تھے نہ املاک رکھتے تھے نہ پنشن رکھتے تھے۔

آغا باقر کا امام باڑہ اس سے علاوہ کہ خداوند کا عزاخانہ ہے ایک بنائے تکلف وضع مشہور ہے اس کے انہدام کا غم کس کو نہ ہوگا۔ یہاں دو سڑکیں دوڑی پھرتی ہیں ایک ٹھنڈی سڑک اور ایک آہنی سڑک محل ان کا الگ الگ اس سے بڑھ کر بات یہ ہے کہ گوروں کا بارگ بھی شہر میں بنے گا۔ قلعہ کے آگے جہاں لال ڈگی ہے ایک میدان

نکالا جائیگا۔ محبوب کی دوکانیں ہمیلیوں کے نیل خانہ بلاقی بیگم کے کوچہ سے خاص بازار تک یہ سب میدان ہو جائے گا۔ یوں سمجھو کہ راموں جان کے دروازے سے قلعہ کی خندق تک سوائے لال ڈگی اور دو چار کنوؤں کے آثار عمارت باقی نہ رہیں گے۔ جاں نثار خاں کے چھتے کے مکان ڈھنے شروع ہو گئے ہیں۔ ؎

بس کہ فعّال ما یرید ہے آج — ہر سلحشور انگلستاں کا
گھر سے بازار میں نکلتے ہوئے — زہرہ ہوتا ہے آب انساں کا
چوک جس کو کہیں وہ مقتل ہے — گھر بنا ہے نمونہ زنداں کا
شہر دہلی کا ذرہ ذرہ خاک — تشنۂ خوں ہے ہر مسلماں کا
کوئی واں سے نہ آسکے یاں تک — آدمی واں نہ جاسکے یاں کا
میں نے مانا کہ مل گئے پھر کیا — وہی رونا تن و دل و جاں کا
گاہ جل کر کیا کئے شکوے — سوزشِ داغہائے پنہاں کا
گاہ رو کر کہا کئے باہم — ماجرا دیدہ ہائے گریاں کا
اس طرح کے وصال سے یارب — کیا مٹے دل سے داغ ہجراں کا

فیل خانہ ملک پھر لال ڈگی کے محاذی کے مکانات سب گرادیے گئے۔ بلاقی بیگم کا کوچہ التوا میں ہے۔ اہل فوج ڈھانا چاہتے ہیں۔ اہل قلم بچاتے ہیں۔ پایان کار دیکھیے کیا ہو۔

گورنر اعظم نے میرٹھ میں دربار کا حکم دیا صاحب کمشنر بہادر دہلی نے سات

جاگیرداروں میں سے جو تین بقیہ السیف تھے ان کو حکم دیا - دربار عام سے سوا میرے کوئی باقی نہ تھا - یا چند مہاجن - مجھ کو حکم نہ پہنچا جب میں نے استدعا کی تو جواب ملا کہ اب نہیں ہو سکتا جب یہ سرزمین مخیم خیام گورنری ہوئی میں اپنی عادت قدیم کے موافق خیمہ گاہ میں پہنچا مولوی اظہار حسین خاں صاحب بہادر سے ملا - چیف سیکرٹر بہادر کو اطلاع کی - جواب آیا کہ فرصت نہیں - میں سمجھا کہ اس وقت فرصت نہیں - دوسرے دن پھر گیا - میری اطلاع کے بعد حکم ہوا کہ ایام غدر میں تم باغیوں سے اخلاص رکھتے تھے - اب گورنمنٹ سے کیوں ملنا چاہتے ہو - اس دن چلا آیا - دوسرے دن میں نے انگریزی خط ان کے نام لکھوا کر ان کو بھیجا - مضمون یہ کہ باغیوں سے میرا اخلاص مظنہ محض ہے - امیدوار ہوں کہ اس کی تحقیقات فرمائی جائے - تاکہ میری صفائی اور بے گناہی ثابت ہو - یہاں کے مقامات پر جواب مرحمت ہو - اب فروری سنہ ۱۸۶۰ء میں پنجاب کے ملک سے جواب آیا کہ لارڈ صاحب بہادر فرماتے ہیں - ہم تحقیقات نہ کریں گے - بس یوں یہ مقدمہ طے ہوا - دربار اور خلعت موقوف پنشن مسدود - وجہ لا معلوم لا موجود الا اللہ ولا موثر فی الوجود الا اللہ - میں (گدائے مبرم) اس حکم پر ممنوع نہ ہوا - جب لارڈ صاحب بہادر کلکتہ پہنچے - میں نے قصیدہ حسب معمول قدیم بھیج دیا - مع اس حکم کے واپس آیا کہ اب یہ چیزیں ہمارے پاس نہ بھیجا کرو - میں مایوس مطلق ہو کر بیٹھ رہا - اور حکام شہر سے ملنا ترک کر دیا - فروری سنہ ۱۸۶۳ء میں نواب لفٹننٹ گورنر پنجاب دلی آئے - اہالی شہر صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر صاحب کمشنر بہادر کے پاس دوڑے اور اپنے نام لکھوا آئے - میں تو بیگانہ محض اور مطرود حکام تھا جگہ سے نہ ہلا کسی سے نہ ملا

دربار ہوا۔ ہر ایک کامگار ہوا۔ ۸ر فروری ۱۸۶۲ء کو آزادانہ منشی پھول سنگھ کے خیمہ میں چلا گیا۔ اپنے نام کا ٹکٹ صاحب سکرٹر بہادر کے پاس بھیجا۔ بلا لیا۔ مجھ سے بے تکلف ملے۔

دوشنبہ ۲ر مارچ ۱۸۶۳ء کو سواد شہر مخیم خیام گورنری ہوا۔ آخر روز میں اپنے شفیق قدیم جناب مولوی اظہار حسین خاں بہادر کے پاس گیا۔ انہانے گفتگو میں فرمایا کہ تمہارا دربار اور خلعت بدستور بحال و برقرار ہے۔ متحیرانہ میں نے پوچھا کہ حضرت کیونکر۔ حضرت نے کہا کہ حاکم حال نے ولایت سے آکر تمہارے علاقے کے سب کاغذ انگریزی و فارسی دیکھے اور بلجلاس کونسل حکم لکھوایا۔ کہ اسد اللہ خاں کا دربار نمبر اور خلعت بدستور بحال و برقرار رہے ہے

کارساز ما بفکر کار ما
فکر ما در کار ما آزار ما

سہ شنبہ ۳ر مارچ کو ۱۲ بجے نواب لفٹنٹ گورنر بہادر نے مجھ کو بلایا خلعت عطا کیا اور فرمایا۔ کہ لارڈ صاحب بہادر کے یہاں کا دربار اور خلعت بھی بحال ہے۔

شراب و آم کا شوق جب دو جرعے پی لئے تو ملا[1] رگ رگ و پے میں دوڑ گئی۔ دل توانا، دماغ روشن ہوگیا۔ چار بوتل شراب تین شیشے گلاب کے توشہ خانہ میں موجود ہیں۔

---

[1] مرزا صاحب شراب و گلاب ملا کر پیا کرتے تھے۔ جیسا کہ ان کے اس شعر سے معلوم ہوتا ہے۔ ہے

آسودہ باد خاطر غالب کہ خوی اوست　　　　آمیختن بہ بادہ وصافی گلاب را

ایک دن میں پلنگ پر لیٹا ہوا ہوں کہ ناگاہ چراغ دودمانِ علم و یقین سید نصیر الدین
تو ایک کوڑا ہاتھ میں اور ایک آدمی ساتھ اس کے سر پر ایک ٹوکرا اس پر گھاس ہری بچھی
میں نے کہا آہا سلطان العلماء مولانا سرفراز حسین دہلوی دوبارہ رسدے[1] بارے معلوم ہوا
کہ وہ نہیں ہے یہ کچھ اور ہے فیضِ عام نہیں لطفِ عام ہے۔ یعنی شراب نہیں آم ہے۔ خیر
یہ عطیہ بھی بے خلل ہے۔ بلکہ نعم البدل ہے۔ ایک ایک کو سر مہر گلاس سمجھا۔ لکورسے[2] بھرا اگر
واہ کیسی حکمت سے بھرا ہوا ہے کہ ۶۵ گلاس میں سے ایک قطرہ نہیں گرا ہے۔

سخت علالت میں بیمار ہو گیا۔ بیمار کیا ہوا توقع زیست کی نہ رہی۔ قولنج اور پھر کیسا
شدید کہ پانچ پہر مرغ نیم بسمل کی طرح تڑپا کیا آخر عصارہ ریوند اور ارنڈی کا تیل
پیا۔ اس وقت تو بچ گیا مگر قصہ قطع نہ ہوا۔ دس دن میں دو بار آدمی آدھی غذا کھائی
گویا دس دن میں ایک بار غذا تناول فرمائی۔ گلاب اور املی کا پنا اور آلو بخارہ کا افشردہ
اس پر مدار رہا۔

بڑھاپا اور آخری حالت سترہ بہترہ[3] اردو میں ترجمہ بر خرف ہے میری تہتر
برس کی عمر ہے۔ پس میں خرف ہوا۔ حافظہ گویا کبھی تھا ہی نہیں۔ سامعہ باطل بہت دن

۱؎ رسد سے مراد شراب ہے

۲؎ خود مرزا نے اسی خط میں لکور کے معنی یوں سمجھائے ہیں۔ یہ ایک انگریزی شراب ہوتی ہے۔
قوام کی بہت لطیف اور رنگت کی بہت خوب اور طعم کی ایسی جیسے قند کا قوام

۳؎ اپنی یہ حالت مرزا صاحب نے ۱۵ر فروری ۱۸۶۹ء کو انتقال کی (بقیہ اگلے صفحہ پر)

سے تھا۔ رفتہ رفتہ وہ بھی حافظہ کے مانند معدوم ہوگیا۔ اب یہ حال ہے جو دوست آتے ہیں۔ رسمی پرسشِ مزاج سے بڑھ کر جو بات ہوتی ہے۔ وہ کاغذ پر لکھ دیتے ہیں غذا مفقود ہے۔ صبح کو قند اور شیرۂ بادام مقشر۔ دوپہر کو گوشت کا پانی، سرِ شام تلے ہوئے چار کباب سوتے وقت پانچ روپے بھر شراب اسی قدر گلاب خرفہ ہوں پوچ ہوں، عاصی ہوں۔ فاسق ہوں، رو سیاہ ہوں۔ یہ شعر میر تقی کا میرے حسب حال ہے ؎

مشہور ہیں عالم میں مگر ہوں بھی کہیں ہم
القصہ نہ در پے ہو ہمارے کہ نہیں ہم

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

سے ٹھیک دو سال قبل قلمبند کی تھی مرزا صاحب کا انتقال ۱۵ر فروری ۱۸۶۹ء کو ہوا جو مطابق ۱۲۸۵ھ کے ہے۔ لیکن انھوں نے اپنی موت کا اندازہ ۱۲۷۷ھ لگایا تھا اور مرنے سے برسوں پہلے اپنے انتقال کا یہ قطعہ تاریخ لکھ رکھا تھا۔

منکہ باشم کہ جاوداں باشم — چوں نظیری نماند و طالب مرد
در بگویند در کدامی سال — مرد غالب بگو کہ غالب مرد

جب اس سال میں انتقال نہ ہوا تو خوب فرمایا۔ "میاں ۱۲۷۷ھ کی بات غلط نہ تھی مگر میں نے وبائے عام میں مرنا اپنے لائق نہ سمجھا واقعی اس میں کسر شان تھی" ۔۔ ۱۲

آخری عمر کے خیالات دنیا سے بیدلی

میں اب انتہائے عمر ناپائیدار کو پہنچکر آفتاب لب بام اور بہجوم امراض جسمانی اور آلام روحانی سے زندہ در گور ہوں کچھ یاد خدا بھی چاہیئے۔ نظم و نثر کے قلمرو کا انتظام ایزد دانا و توانا کی عنایت و اعانت سے خوب ہو چکا۔ اگر اس نے چاہا تو قیامت تک میرا نام و نشان باقی اور قائم رہے گا ؂

غالب بقول حضرت حافظ فیض عشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

انشا پردازوں کے خطوط، دیگر تحریریں۔ ان کے خیالات اور قابلیت کا آئینہ ہوتے ہیں۔ مرزا غالب کے رقعات جو شاگردوں۔ عزیزوں۔ دوستوں کے نام ہیں۔ ان میں روزمرہ کے معاملات کے علاوہ ہر قسم کی معلومات کا بیش بہا ذخیرہ موجود ہے۔ مرزا کی سہل نگاری نے حکمت، فلسفہ اور تصوف کا دریا بہا کر یہ دکھایا ہے کہ اردو زبان ہر قسم کے دقیق خیالات کو آسانی سے ادا کر سکتی ہے۔ اخلاقی۔ علمی۔ تاریخی مضامین کے بیان کرنے پر قادر ہے۔ شاگردوں کو شاعری اور نثر نگاری کے متعلق جو ہدایتیں فرمائی ہیں وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔

اہلِ لکھنؤ الفاظ کی تحقیقات اور تذکیر و تانیث کی بحثوں پر مختلف رسالجات لکھتے رہے ہیں لیکن شعرائے دہلی نے اس طرف بہت کم توجہ کی ہے۔ پھر بھی مرزا کے بیشمار خطوط میں عربی فارسی اردو و ہندی الفاظ پر جو رد و قدح کی گئی ہے وہ ایسی چیز نہ تھی کہ اسے جداگانہ صورت میں ادبی دنیا کے سامنے پیش نہ کیا جاتا۔ مرزا غالب کے اس ذخیرہ کے مطالعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح دہلی کو اردو زبان کے مولد ہونے کا فخر حاصل ہے، اسی طرح وہاں ایک امام نے فن تحقیقات کے میدان کو جولان گرِ محققین

کو لٹریری ترقی کا نیا رستہ دکھایا ہے۔

سرگزشت غالب اردو دے معلیٰ۔ عود ہندی میں مرزا کے اُن خطوط کا عطر ہے جن میں علمی نکات درج ہیں۔ یقین ہے کہ ہر ایک انشا پرداز ان کو پڑھ کر فائدہ حاصل کرے گا اور مؤلف کی جانفشانی و محنت کی داد دیگا۔ اس میں نہ صرف دلچسپی کا سامان ہے بلکہ بہت سے نکات روحانی اخلاقی علمی بھی ہیں جو اپنی اپنی جگہ سب کار آمد ہیں:۔

(۱) قبول دعا وقت طلوع منجملہ مضامین شعری جیسے کتاں کا پرتو ماہ میں پھٹ جانا اور زمرد سے افعی کا اندھا ہو جانا آصف الدولہ نے افعی تلاش کر کے منگوایا اور قطعات زمرد اس کے محاذی چشم رکھے کچھ اثر ظاہر نہیں ہوا۔ ایران و روم و فرنگ سے انواع کپڑے منگوائے چاندنی میں پھیلائے۔

(۲) تحویل آفتاب بہ حمل ۲۲ مارچ کو واقع ہوئی ہے کبھی ۲۱ اور کبھی ۲۳ بھی آپڑتی ہے۔

(۳) علم نجوم کے قاعدے کے موافق جب زمانہ کے مزاج میں فساد کی صورتیں پیدا ہوتی ہیں تب سطح فلک پر مُعدّد شکلیں دکھائی دیتی ہیں جس برج میں یہ نظر آئیں اس کا درجہ اور دقیقہ دیکھتے ہیں۔ ہزار طرح کی چال ڈالتے ہیں۔ تب ایک حکم نکالتے ہیں شاہجہاں آباد میں بعد غروب آفتاب افق غربی شہر پر نظر آتا تھا اور چونکہ ان دنوں میں آفتاب اول میزان میں تھا تو یہ سمجھا جاتا تھا کہ یہ صورت عقرب میں ہے یہ صورتیں قہر الٰہی کی ہیں اور دلیلیں ملک کی تباہی کی

(۴) پنڈے سے سیانا، سودیوانا، صبر و تسلیم و توکل و رضا شیوہ صوفیہ کا مجھ سے زیادہ

اس کو کون سمجھے گا جو تم مجھ کو سمجھاتے ہو کیا میں یہ جانتا ہوں کہ کن لڑکوں کی پرورش میں کرتا ہوں استغفراللہ لا موثر فی الوجود الا اللہ

(۵) خود شکوہ دلیل رفع آزار بس است

آیا بزباں ہر آنچہ از دل برود

فقیر شکوہ سے بڑا نہیں مانتا مگر شکوہ کے فن کو سوائے میرے کوئی نہیں جانتا شکوہ کی خوبی یہ ہے کہ راہ راست سے منہ نہ موڑے اور معہذا دوسرے کے واسطے جواب کی گنجائش نہ چھوڑے۔

(۶) ترک لباس سے قید ہستی مٹ نہ جائے گی بغیر کھائے پئے گذارہ نہ ہو گا سختی، سستی، رنج و آرام کو ہموار کر دو جس طرح ہو اسی صورت سے بہر صورت گذرنے دو سے

تاب لائے ہی بنے گی غالب

واقعہ سخت ہے اور جان عزیز

(۷) ہر چند خرد مند تواریخ کی طرف مائل ہوں گے لیکن قصہ کہانی کی ذوق بخشی و نشاط انگیزی کے بھی دل سے قائل ہوں گے کیا تواریخ میں ممتنع الوقوع حکایات نہیں ناانصافی کرتے ہو یہ کچھ بات نہیں سام اپنے فرزند کو پہاڑ پر پھکوائے، سیمرغ اس کو اپنے گھونسلے میں اٹھالائے پرورش کر کے پہلوان بنائے۔ آداب حرب و ضرب سکھلائے پھر جب رستم اسفندیار کی لڑائی سے گھبرائے زال اس بانسی کو جلائے سیمرغ گردان کے کبوتر کی طرح سیٹی کی آواز سنتے ہی چلا آئے اور اپنی بیٹ کے لیپ سے یا اور کسی دوا سے رستم کے زخم اچھے کر کے ایک تیر دو شاخہ

دے کر تشریف لے جائے۔ رستم دس برس کی عمر میں مست ہاتھی کو ہلاک کرے جب چشم بددور جوان ہو دیو سفید کو تہ خاک کرے۔ فرعون کا دعویٰ خدائی مشہور ہے۔ شداد و نمرود کا بھی تواریخ میں ایسا ہی مذکور ہے۔ داستان طرازی منجملہ فنون سخن ہے۔ سچ ہے کہ دل بہلانے کے لئے اچھا فن ہے۔

(۸) مراتب توحید چار ہیں۔ آثاری۔ افعالی۔ صفاتی۔ ذاتی۔ انبیائے پیشیں صلوٰت اللہ علیٰ نبینا و علیہم۔ اعلان مدارج توحید سہ گانہ پر مامور تھے۔ خاتم الانبیاء کو حکم ہوا کہ حجاب تعیناتی اٹھاویں اور حقیقت نیرنگی ذات کو صورت الآن کما کان میں دکھاویں۔ اب گنجینۂ معرفت خواص اُمّتِ محمدی کا سینہ ہے اور کلمۂ لا الٰہ الا اللہ مفتاح باب گنجینہ ہے۔ رہے عامۂ مومنین کہ وہ اس کلام سے صرف نفی شرک فی العبادۃ مراد لیتے ہیں اور نفی شرک فی الوجود اصل مقصود ہے ان کی نظر میں نہیں۔ جب لا الٰہ الا اللہ کے بعد محمد رسول اللہ کہیں گے اُس سے اُسی توحید ذاتی کی قدم گاہ پر آ رہیں گے یعنی ہماری اس کلمہ سے وہ مراد ہے جو خاتم الرسل کا مقصود تھا۔ یہی حقیقت ہے۔ شفاعت محمدی کی اور یہی معنی ہیں رحمۃ للعٰلمین ہونے کے۔ قلم اگرچہ دیکھنے میں دو زبان ہے۔ مگر وحدت حقیقی کا راز داں ہے۔ گفتگوئے توحید میں وہ لذت ہے کہ جی چاہتا ہے کوئی سو بار کہے اور سو بار سنے۔

(۹) الولایت افضل من النبوۃ کے معنی اُس کے صاف اور اندروئے انصاف یہ ہیں کہ ولایت نبی کی وہ وجہ الی الحق ہے افضل ہے نبوت خاص سے جس طرح نبی مستفیض ہے حضرت الوہیت سے اسی طرح ولی مستنیر ہے۔ انوار نبوت سے مستنیر کی تفصیل منیر پر اور یہ

حاشیہ سے کہ وہ الی الحق ہے نہ یہ کہ ولایت عام افضل ہے نبوت

مستفیض کی ترجیح مفیض پر ہرگو معقول اور عقلا کے نزدیک مقبول نہیں اب وہ ولایت کہ خلاصہ نبی تھا نبوت کے ساتھ منقطع ہو گئی مگر وہ فروغ کہ اخذ کیا گیا ہے مشکوٰۃ نبوت سے ہنوز باقی ہے نقل و تحویل ہوتی چلی آئی ہے اور چراغ سے چراغ جلتا چلا جاتا ہے۔ یہ سراج ایزدی تا ظہور صبح قیامت روشن رہے گا۔ اور اب اسی کا نام ولایت اور یہی مشعل طریق ہدایت ہے قلاّت و ہدایت وہی حقیقت توحید ذاتی ہے کہ از روئے کلمہ لاالٰہ الا اللہ شہود و عیون عیاں است اور منظور نظر اکابر ملت ہوتی ہے مگر وہ بات اب کہاں کہ ایک بار لاالٰہ الا اللہ کہے اور دل نورِ معرفت سے منور ہو جائے اور وہ ضامن زبردست کہاں کہ قائل لاالٰہ الا اللہ کو اگرچہ اس کے معنی اچھی طرح نہ سمجھا ہو قدم گاہ توحید پر قائم کر دے یعنی رسول مقبول واجب التعظیم قائل انا احمد بلا میم علیہ التحیۃ والتسلیم اب سعادت بقدر ارادت ہے اور راحت بعد جراحت ہے بھی تو ہے آدمی کیوں کر سمجھ سکے اور بطلان بدیہات کے جواز پر اس کو کیونکر تسلی ہو یعنی اس مجموع موجودات کو کہ افلاک و انجم و بحار و جبال اسی میں ہیں نیست و نابود محض جان لے اور تمام عالم کو ایک وجود مان لے ؎

اے کردہ بہ آرائش گفتار بسیج — در زلف شکن کشودہ راخم و پیچ
عالم کہ تو چیز دگرش میدانی — ذاتیست بسیط و منضبط دگر ہیچ

(۱۰) وحدتِ وجود اس طرح کی بات تو نہیں کہ نہ ہو اور ہم اس کو بجبر یا بہ تکلف ثابت کیا چاہتے ہوں۔ ؏

دانی ہمہ اوست ورنہ دانی ہمہ اوست

وہم صورتگری اور پیکر تراشی کرسکا ہے اور معدومات کو موجود رہا ہے۔ پس جب وہ
وہم شغل و ذکر کی طرف مشغول ہو گیا بہ شبہ اپنے کام سے یعنی صورتگری و پیکر تراشی سے معزول
ہو گیا بیخبری و بیخودی چھا گئی اور وہ کیفیت جو موحدین کو بہ جز وفہم حاصل ہوتی ہے۔ شاغل
کے نفس کو بیخودی میں آ گئی۔ ایک دو بار میں جان کر کہ دو ایک کو کسی نے غافل کر کے تکمیل
دیا انجام دونوں کا ایک ہے۔ وہ لوگ جو وحدت وجود کو مجھ لیں یہ میں نہیں کہتا کہ نہیں
ہیں مگر ہاں کم ہیں۔ اور مخفی ہیں اور کہیں کہیں ہیں۔ ایسے نفوس کو کہ جو حسب حالت بیخودی
کے واسطے محتاج اشکال و اذکار ہیں بہت ہیں بلکہ بہت بیشمار ہیں۔

(۱۱) اگر نفس ناطقہ کو حق بصورتِ انسان پیدا کیا ہوتا تو ہم اس صورت میں
کیونکر کہیں کہ کیا ہوتا۔ اس لعبتِ دلفریب کی نظارگی سے بے بادہ مست ہو جاتے اور
پیکر ہوشربا دیکھ کر اہل معنی یک قلم صورت پرست ہو جاتے۔

(۱۲) یہ صاحبان شرح لکھنے ہیں کیا یہ سب اینڈی شرحیں ہیں اوران کا کلام ذہنی ہے
اپنے اپنے قیاس سے معنی پیدا کرتے ہیں۔ یہ میں نہیں کہتا کہ ہر جگہ ان کا قیاس غلط ہو مگر یہ
بھی کوئی نہیں کہہ سکتا کہ جو کچھ یہ فرماتے ہیں وہ صحیح ہے ہے

دیواں گری محبت تو   کا مروز مسلم است مارا
بیگانہ ز تاج کرد تارک   آوارہ ز کفش کرد مارا

جیسا کہ دوسرے شعر کے مفہوم کو شارح کہتا ہے کہ دیوانگی میں یہ حالت بعید
نہیں۔ ایسا ہی اگر کوئی کہے کہ منصب دیوانی سے یہ بات بعید ہو تو پھر شارح کیا جواب

دیگا۔ ہاں یہ کہے گا کہ غلبۂ محبت میں پاس وضع نہ رہا۔ اور دیوانجی صاحب کچہری سے ننگے سر اور ننگے پاؤں نکل بھاگے۔ ہم نے مانا مگر ہم یہ پوچھتے ہیں کہ دیوانگی کیوں نہ لکھیں کہ دوسرے شعر کے معنی بے تکلف منطبق ہو جائیں اور توجیہات درمیان میں نہ آئیں فقیر کے نزدیک دیوانگی محبت توصیح اور بے تکلف ہے اور دیوانگی و محبت تو) غلط محض اور دیوان گری محبت تو تکلف محض دیوانگی اور محبت دو صفتیں کیوں جمع کریں۔ غور کیجیے لطف کا داؤ یہ چاہتا ہے کہ یہ شخص پہلے سے دیوانہ تھا اور پھر اسی حالت میں اس کو محبت پیدا ہوئی۔ دیوانگی میں تاج و کفش بجا تھی۔ محبت پیدا ہونے کے بعد یہ حالت طاری ہوئی۔ کیا بے مزہ توجیہ ہے۔ ہاں دیوانگی محبت یعنی وہ جنون جو فرطِ محبت میں بہم پہنچا اس نے اس احوال کو پہنچایا۔ فقیر دیوانگی محبت کہے گا۔ اور دیوانگی و محبت کہنے کو منع کرے گا۔ اور دیوان گری محبت کہنے کو نہ مانع آئے گا نہ منع کرے گا۔

(۱۳) فارسی کی تکمیل کے واسطے اصل الاصول مناسبت طبیعت کی ہے۔ پھر تتبّع کلام اہل زبان لیکن اشعار قتیل و واقف شعرائے ہندوستان کہ ان کو موزونیٔ طبع کا نتیجہ کہیے اور کسی تعریف کے شایان نہیں ہیں۔ ترکیب فارسی اور نہ معنی نازک ہاں الفاظ فرسودہ علیہا جو اطفال دبستان جانتے ہیں۔ اور جو متصدی نثر میں درج کرتے ہیں۔ وہ الفاظ فارسی یہ لوگ نظم میں خرچ کرتے ہیں۔ جب رودکیؔ، عنصریؔ، خاقانیؔ، رشیدؔ، وطواطؔ اور ان کے امثال و نظائر کا کلام بالاستیعاب دیکھا جاتے۔ ان کی ترکیبوں سے آشنائی بہم پہونچے اور ذہن اعوجاج کی طرف نہ لے جاتے تب بات ہے

(۱۴) رباعی کا ایک وزن معین ہے۔ عرب میں دستور نہ تھا سوائے عجم کے یہ بحر ہزج میں سے نکالا ہے "مفعول مفاعلن فعولن" ہزج مسدس اخرب مقبوض مقصور اس وزن پر فعلن بڑھا دیا ہے "مفعول مفاعلن فعولن فعلن" زحافات اس میں بعض کے نزدیک اٹھارہ ہیں اور بعض کے نزدیک ۲۴ ہیں۔ اور وہ سب جائز ہیں اور اس بحر کا نام بحر رباعی ہے رباعی سوائے اس بحر کے اور کسی بحر میں نہیں کہی جاتی اور یہ جو مطلع اور حسن مطلع کو رباعی کہتے ہیں۔ اس راہ سے کہ مصرعے چار ہیں کہو۔ ورنہ رباعی نہیں ہے۔ قدما ہر مصرعہ میں قافیہ رکھتے تھے۔

(۱۵) ایطا دو طرح پر ہے خفی و جلی۔ اہل حرفہ نے خاک اڑائی ہے اور بات بنائی ہے ایطا وہ قافیہ ہے کہ دو حرف ایک صورت کے ہوں جیسے الف فاعل بینا۔ گویا شنوا اور ایسا ہی الف نون جمع کا مثل چراغاں۔ جواناں اور ایسا ہی ہے الف نون فاعل مانند گریاں و خنداں۔ پس اگر یہ مطلع میں آپڑے تو ایطائے جلی ہے اور اگر غزل یا قصیدہ میں بطریق تکرار قافیہ آپڑے تو ایطائے خفی ہے۔

(۱۶) میں فن تاریخ کو دون مرتبہ شاعری جانتا ہوں۔ یہ بھی میرا عقیدہ نہیں ہے کہ تاریخ وفات لکھنے سے ادائے حق محبت ہوتا ہے۔ تاریخ میں ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ کوئی لفظ جامع اعداد نکال لیا کرتے ہیں بلکہ قید معنی دار ہونے کے بھی مرتفع ہوتی ہے جیسا کہ یہ مصرعہ

در سال غرس ہر آنکہ ماند بینید

انوریؔ کے قصائد کو دیکھو دو چار جگہ ایسے الفاظ قصیدہ کے آغاز میں لکھے ہیں
جس میں اعداد سال مطلوب نکل آتے ہیں اور معنی کچھ نہیں ہوتے۔ منشی نبی بخش مرحوم
کی تاریخ رحلت میں جو قصیدہ لکھا ہے اس کا ایک شعر یہ ہے ؎

خواستم از غالبِ آشفتہ سر
گفت مدہ طول و بگو رستخیز

لفظ رستخیز کیا پاکیزہ معنی دار لفظ ہے۔ اور پھر موقع کے مناسب۔

(۱۷) حضرت سعدیؔ طرز خاص کے موجد ہوئے۔ خاقانیؔ ایک شیوۂ خاص کا
مبدع ہوا۔ خیال ہائے نازک و معنی بلند۔ لایا اس میں شیوہ کی تکمیل کی ظہوریؔ،
عرفیؔ۔ نوعیؔ نے سبحان اللہ قالب سخن میں جان پڑ گئی۔ اس روش کو بعد اس کے صاحبانِ
طبع نے سلاست کا چربہ دیا۔ صائبؔ و کلیمؔ و سلیمؔ و قدسیؔ و حکیم شفائیؔ اس زمرہ میں ہیں
رودکیؔ و اسدیؔ و فردوسیؔ یہ شیوہ سعدیؔ کے وقت میں ترک ہوا۔ اور سعدیؔ کی طرز
نے بسبب سہل ممتنع ہونے کے رواج نہ پایا۔ خاقانیؔ کا انداز پھیلا اور اس میں نئے
نئے رنگ پیدا ہوتے گئے۔ تو اب طرزیں تین ٹھہرتی ہیں۔ خاقانیؔ اس کے اقران، ظہوریؔ
اس کی امثال صائبؔ اس کے نظائر ممتاز وغیرہم کا کلام ان تین طرزوں میں سے
کس طرز پر ہے؟ بے شبہ فرماؤ گے۔ یہ طرز ہی اور ہے۔ پس تو ہم نے جانا کہ یہ ان کی
طرز جدا ہے۔ مگر فارسی نہیں ہے۔ دار الضرب شاہی کا سکہ نہیں ہے۔ ٹکسال
باہر ہے۔ داد۔ داد۔ انصاف۔ انصاف ؎

اگرچہ شاعران نغز گفتار ز یک جام اند در بزم سخن مست
ولے بادۂ بعضے حریفاں خمار چشم ساقی نیز پیوست
مشو منکر کہ در اشعار ایں قوم ورائے شاعری چیزِ دگر ہست

وہ چیز دگر پارسیوں کے حصے میں آئی ہے۔ یاں اُردو زبان میں اہل ہند نے وہ چیز پائی ہے۔ میر تقی علیہ الرحمتہ ؎

بدنام ہو گئے جانے بھی دو امتحان کو رکھے گا تم سے کون عزیز اپنی جان کو
دکھلائیے لیجا کے تجھے مصر کا بازار خواہاں نہیں لیکن کوئی واں جنس گراں کا

قائم ؎

قائم اور تجھ سے طلب بوسہ کی کیونکر مانوں ہے تو ناداں مگر اتنا بھی بدآموز نہیں

مومن خان مومن ؎

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

ناسخ کے ہاں کمتر اور آتش کے ہاں بیشتر یہ نشتر ہیں۔

(۱۸) آج اس نے جلاب لیا۔ دس دست آئے مواد خوب اخراج ہوا اس کی فارسی غیر فصیح یہ ہے کہ "امروز فلانے مسہل گرفت دہ دست آمد ند مواد خوب بر آمد ند" اور فصیح فارسی یوں ہوئی کہ "امروز فلانے بگاہ دارو ے مسہل آشامید تا شام دہ بار نشست یا دہ بار بمستراح رفت یا دہ بار بہ بیت الخلاء رفت مادہ فاسد چنانکہ بائد اخراج یافت"۔ معلوم رہے کہ لوطیوں کی منطق

میں خصوصاً اور اہلِ فارس کے روزمرہ میں عموماً رفتن) استعارہ ہے، یدل کا

(۱۹) حزیں ؎

ز ترک تازئ آں نازنیں سوار ہنوز — ز سبزہ مید مد انگشت زینہار ہنوز

حزیں کے اس مطلع میں ایک ہنوز زائد اور بیہودہ ہے۔ تتبع کے واسطے سند نہیں ہو سکتا۔ یہ غلط محض ہے، یہ سقم ہے۔ یہ عیب ہے۔ اس کی کون پیروی کریگا۔ حزیں تو آدمی تھا، اگر یہ مطلع جبریل کا ہو تو اس کو سند نہ جانو اور اس کی پیروی نہ کرو۔

(۲۰) خواجہ نصیر الدین طوسی آدمعنت زبان فارسی میں ذ نا لکھتے ہیں اور ذال نقطہ دار کا ذکر نہیں کرتے۔ الا کوئی لغت فارسی ایسا نہیں معلوم ہوتا جس میں ذال ہو۔ گزاشتن گزشتن و پزیرفتن سب زے سے ہیں۔

(۲۱) نواب کا مجھ کو خطاب ہے "نجم الدولہ" اور اطراف و جوانب کے امراء سب مجھکو نواب لکھتے ہیں۔ بلکہ بعض انگریز بھی۔ چنانچہ صاحب کمشنر دہلی نے جو ان دنوں میں ایک روبکاری بھیجی ہے تو لفافہ پر نواب اسد اللہ خاں لکھا لیکن یاد رہے نواب کے لفظ کے ساتھ مرزا یا میر نہیں لکھتے یہ خلاف دستور ہے۔ یا نواب اسد اللہ خاں لکھو یا مرزا اسد اللہ خاں لکھو اور بہادر کا لفظ تو دونوں حال میں واجب اور لازم ہے۔

(۲۲) ع "تا ہر چہ گفتی از تو مکرر شنود مے"

اکثر صاحب گفتی کو بھی بیائے مجہول پڑھتے ہیں تاکہ مے گفت کے معنی پیدا ہوں۔ گفتی بیائے معروف بے تکلف درست اور بیائے مجہول غلط ہزار اور اگر وہاں خدے

کہیے تو یہاں گفتے بجائے مجہول کہیے غیبت اور خطاب کا تفرقہ مٹا دیجیے گفتی بجائے مجہول میں خطاب حاضر مقرر رہتا ہے اور "تو" کا لفظ جو قریب ہے وہ اس معنی کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ نظائر اس کے فارسی میں بہت ہیں۔

(۲۳) دعویٰ اور چیز ہے۔ اور کمال اور ہے۔ علم عربی اور شئے اور فارسی کی حقیقت حال اور ہے۔ جلالائے طباطبائی نے شیدائی ہندی کو ایک رقعہ لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ "ایک دن مولانا عرفیؔ اور ابوالفضل میں مباحثہ ہوا۔ شیخ نے عرفی سے کہا کہ ہم نے تحقیق کو لسبر حد افراد پہنچا دیا۔ اور فارسی میں خوب کمال پیدا کیا۔ عرفیؔ نے کہا اس کو کیا کرو گے جب سے ہم نے ہوش سنبھالا ہے گھر کے بڈھوں سے جو بات سُنی فارسی میں سُنی۔ شیخ گفت:۔ ما فارسی از انوری و خاقانی فراگرفتہ ایم۔ و شما از پیر زالاں آموختہ اید۔ عرفی فرمود انوری و خاقانی نیز از پیر زناں[1] آموختہ باشد"۔ ہندوستان کے سخنوروں میں حضرت امیر خسروؔ دہلوی کے سوا کوئی اُستاد مسلم الثبوت نہیں ہوا خسرو کیخسرو قلمرو سخن طرازی ہے۔ یا ہم حشیم نظامی گنجوی دہم کی طرح سعدی شیرازی ہیں۔ خیر فیضی بھی نغز گوئی میں مشہور ہے۔ کلام اس کا پسندیدہ جمہور ہے ناصر علی بیدلؔ غنیمت ان کی فارسی کیا ہر ایک کا کلام بنظر انصاف دیکھیے۔ منت بکس واقف قتیل یہ تو اس قابل بھی نہیں کہ ان کا نام لیجیے۔ ان حضرات میں عالم علوم عربیہ کے شخص ہیں خیر ہوں۔ فاضل کہلائیں۔ کلام میں ان کے مزا کہاں۔ ایرانیوں کی سی ادا کہاں۔ فارسی

---

[1] گویا ابوالفضل نے پیر زالاں کہا۔ عرفیؔ نے پیر زناں کہہ کر تصحیح کی۔

کی قاعدہ دانی میں اگر کلام ہے اس میں پیروی۔ قیاس ایک بلائے عام ہے۔ وارستہ سیالکوٹی نے خان آرزو کی تحقیق پر سو جگہ اعتراض کیا ہے اور ہر اعتراض بجا ہے۔ بایں ہمہ وہ بھی جہاں اپنے قیاس پر جاتا ہے منہ کی کھاتا ہے۔ مولوی احسان اللہ کو صنائع لفظی میں دستگاہ اچھی تھی۔ اس شیوۂ درویش کو خوب برت گئے۔ فارسی وہ کیا جانیں۔ قاضی محمد صادق خاں اختر عالم ہوں گے شاعری سے ان کو کیا علاقہ۔

(۲۴) یائے تحتانی تین طرح پر ہے بس۔

ع ہمائے بر ہمہ مرغاں ازاں شرف دارد

ع اے سرِ نامہ نامِ تو عقل گرہ کشائے را

یہ ساری غزل اور مثل اس کے جہاں یائے تحتانی ہے جزو کلمہ ہے اس پر ہمزہ لکھنا گویا عقل کو گالی دینا ہے۔ دوسرے یائے تحتانی مضاف ہے صرف اضافت کا کسرہ چاہئے۔ ہمزہ وہاں بھی مخل ہے۔ جیسے آسیائے چرخ جیسے آشنائے قدیم توصیفی اضافی بیانی کسی طرح کا کسرہ ہو ہمزہ نہیں چاہتا۔ فدائے تو شوم۔ رونمائے تو شوم یہ بھی اسی قبیل سے ہے۔ تیسرے دو طرح پر یائے مصدری اور وہ معروف ہوگی۔ دوسری طرح توحید و تنکیر وہ مجہول ہوگی۔ مثلاً مصدری آشنائی یہاں ہمزہ ضرور بلکہ ہمزہ نہ لکھنا عقل کا قصور توحیدی آشنائے یعنی ایک آشنا یا کوئی آشنا یہاں جب تک ہمزہ نہ لکھو گے دانا نہ کہلاؤ گے۔

(۲۵) خستہ۔ بستہ۔ تانہ۔ مخانہ۔ خانہ۔ دانہ۔ آوارہ۔ بیچارہ۔ روزنہ۔ بوزہ ہزار لفظ ہیں کہ ان کے آگے جب یائے توحید آتی ہے تو اس کی علامت کے واسطے ہمزہ لکھ دیں

ہیں۔ زرہ، گرہ، کلاہ، شاہ، آگاہ، صبح گاہ، صبح گہ، ایسے الفاظ کے آگے اگر یائے تحتانی آتی ہے تو زرہی، گرہی، کلاہی، شاہی، آگاہی، آگہی، گہی ہے گہے لکھ دیتے ہیں۔

(۲۶) تا ہر چہ گفتی از تو کمتر شنوند مے شدے کی رعایت سے کہ وہ بیائے مجہول ہے بمعنی میشد۔ اکثر صاحب گفتی کو بھی بیائے مجہول پڑھتے ہیں تاکہ میگفت کے معنی پیدا ہوں اس صورت میں خطاب سے بطرف غائب رجوع کرتے ہیں۔ اور گفتی یائے معروف سے صیغہ واحد حاضر ہے۔

(۲۷) اُردو میں انتظاری بمعنی انتظار غلط ہے۔ میں نے نہ آپ لکھا نہ اپنے شاگردوں کو لکھنے دیا۔ مسلم الثبوت استادوں کے ہاں فارسی میں موجود ہے۔

(۲۸) کاغذ دال مہملہ سے ہے اس کا ذال سے لکھنا اور کواغذ کو اس کی جمع قرار دینا قرین تحقیق اور اسم آتش بدال ابجد ہے نہ بذال تخذ کوئی لفظ متحد المخرج فارسی میں نہیں بلکہ قریب المخرج بھی نہیں۔ تے ہے طوئے نہیں۔ سین ہے...... صاد نہیں ہائے ہوز ہے ہائے حطی نہیں۔ یہاں تک کہ قاف نہیں۔ اس راہ سے کہ غین متحد المزاج بلکہ قریب المخرج ہے۔ زے کے ہوتے ذال کیونکر؟

(۲۹) بے مراد اور نامراد میں وہ فرق ہے جو زمین و آسمان میں ہے۔ نامراد وہ ہے جس کی کوئی مراد کوئی خواہش بر نہ آئے۔ بے مراد وہ ہے کہ جس کا صفحہ ضمیر نقوش مدعا سے سادہ ہو از قسم بے مدعا بے غرض بے طلب۔ جستہ للہ ان دونوں امروں میں کتنا فرق ہے۔

(۳۰) نابرد، ناکام، نادرست، ناچار مخفف، ناچارہ، اور ناکارہ کہ یہ تنفف ناکارہ

ہے اور نامرد و نا انصاف یہ سب درست ہیں۔

(۳۱) چھا چھا۔ ترجمہ ہندی۔ ایک بار چھا کفایت کرتا ہے بول چال میں ہے لیکن تحریر میں درست نہیں۔

(۳۲) خطاب واحد غائب فقط شین ہے نہ "اش" ہاں اگر آخر لفظ مبنی ہائے انتہا حرکت پر ہو مثل غمزہ۔ چشمہ۔ خانہ۔ دانہ تو اس کو یوں لکھتے ہیں۔ چشمہ اش۔ غمزہ اش۔ خانہ اش۔ دانہ اش اور باقی سب الفاظ کا حرف آخر شین سے مل جاتا ہے۔ خطاب واحد حاضر خطاب واحد غائب۔ خطاب متکلم ت۔ ش۔ م ہے۔ الف کو یہاں کیا دخل۔

(۳۳) سانس میرے نزدیک مذکر ہے لیکن اگر کوئی مونث بولے تو میں منع نہیں کر سکتا خود سانس کو مونث نہ کہوں گا۔ سیف کو عدو کش کہو اور کمند کو عدو بند۔ سیف عدو بند نہیں ہو سکتی۔ تم کو کہتا ہوں کہ تم تلوار کو عدو بند نہ کہو کوئی اور اگر کہے تو اس سے لڑو۔ زلف کو شب رنگ اور شبگوں کہتے ہیں۔ شب گیر زلف کی صفت ہر گز نہیں ہو سکتی شبگیر اس سفر کو کہتے ہیں کہ پہر چھ گھڑی رات رہے چلدیں۔ نالۂ شب گیر آہ و زاری آخر شب کو کہتے ہیں۔ زلفِ شب گیر نہ مسموع نہ معقول۔

(۳۴) سخن کا قافیہ تُن بھی درست ہے اور تن بھی جائز ہے یعنی سخن کا دوسرا حرف مضموم بھی ہے اور مفتوح بھی ہے۔

(۳۵) وہ پارسی قدیم جو ہوشنگ و جمشید و کیخسرو کے عہد میں مروج تھی اس میں خرہ مضموم نور قاہر کو کہتے ہیں۔ اور چونکہ پارسیوں کی دیدہ دانست میں آفتاب سے زیادہ

کوئی بزرگ نہیں ہے اسی واسطے آفتاب کو خُر کہا اور شید کا لفظ بڑھا دیا۔ شید لشین مکسور ویائے معروف بروزن عید روشنی کو کہتے ہیں۔ یعنی یہ اس نور قاہر ایزدی کی روشنی ہے۔ خُر اور شید یہ دونوں نام آفتاب کے ٹھہرے۔ جب عرب و عجم مل گئے تو کا بر عرب نے کرڈ منبع علوم ہوے واسطے دفع التباس۔ خُر میں واؤ معدولہ بڑھا کر خور لکھنا شروع کیا۔ ہر آئینہ متاخرین نے اس قاعدہ کو پسند کیا اور فی الحقیقت یہ قاعدہ بہت مستحسن ہے بغیر خُر جہاں بے اضافہ لفظ شید لکھتا ہے۔ موافق قانون عظمائے عرب لبواؤ معدولہ لکھتا ہو یعنی خور اور جہاں لفظ شید لکھتا ہے وہاں بہ پیروی بزرگان پارس سربسر لفظ خور کو بے واؤ لکھتا ہے۔ یعنی خورشید اور خور کا قافیہ دَر اور بَر کے ساتھ جائز اور روا ہے۔ خود میں نے دو چار جگہ باندھا ہوگا۔ وہاں میں بے واؤ کیوں لکھوں۔ رہا خورشید چاہو بے واؤ لکھو چاہو مع الواؤ لکھو میں بے واؤ لکھتا ہوں مگر الواؤ کو غلط نہیں جانتا اور خور کو بھی بے واؤ نہ لکھوں گا قافیہ ہو یا نہ ہو یعنی نظم میں وسط شعر میں آپڑے یا نثر کی عبارت میں واقع ہو خور لکھوں گا۔ یہ بات بھی تم کو معلوم رہے کہ جسطرح خور ترجمہ نور قاہر کا ہے اسی طرح جم ترجمہ قادر کا ہے کہ با ضابطہ لفظ شید اسم شہنشاہ وقت قرار پایا ہے۔

(۳۷) عمل کار۔ اہل کار شیخ سعدیؒ ـــ گرچہ عمل کار خردمند نیست

" جز بخرد مند مفرما عمل " یعنی خدمت و اعمال سوائے علماء اور عقلاء کے اور کی تفویض نہ کر پھر دوسرے مصرعہ کے یہ معنی ہیں کہ اگرچہ خدمات و اشغال سلطانی کا قبول کرنا خردمند کا کام نہیں اور عقل سے بعید ہے کہ آدمی اپنے کو خطرہ میں ڈالے عمل الگ ہی اور کار مضاف ہے

بطرفِ خرد ورنہ دہائی خدا کی عمل کارہ۔ اہل کار کے معنی پر نہیں آتا۔

(۳۷) مہر خاں کے دو معنی ہیں ایک تو خطاب جو سلاطین امرار کو دیں اور دوسرے وہ نام جو لڑکوں کا پیار سے رکھیں یعنی عرف۔

(۳۸) شاہیں کے معنی دریافت کئے جانے پر مرزا صاحب نے یہ لکھا کہ "عربی میں ایک باجے کا نام ہے۔ صورت اس کی مجھے معلوم نہیں۔ صراح میں بھی یہی معنی لکھے ہیں"۔

(۳۹) ارنی کی رے کی حرکت و سکون کے باب میں مرزا صاحب یہ تحریر فرماتے ہیں۔ "اگر تقطیع شعر مساعدت کر جائے۔ اَرِنی بروزن جُمنی گنجائش پائے تو نعم الاتفاق ہے ورنہ قاعدہ تصرف مقتضی جواز ہے۔ مرزا عبدالقادر بیدل سے

چو رسی بطور ہمت ارنی مگو و بگذر | کہ نیرزد ایں تمنا بجواب لن ترانی

خود فرماتے ہیں سے

رفت آنکہ ما ز حسن مدار طلب کنیم | سرر شتہ ور کفِ ارنی گوئی طور بود

(۴۰) مرزا صاحب نے پنشن کو مذکر لکھا ہے۔ عام طور پر مؤنث بولا جاتا ہے۔ آپ ایک موقعہ پر تحریر فرماتے ہیں "دِلّی فتح ہونے کے بعد میرا پنشن کھلا"۔

(۴۱) وتے یہ گنوار و بولی ہے۔ وہ یہ ٹھینٹ اردو ہے۔ کرانا یہ بیرونجات کی بولی ہے۔ راجے یہ غلط ہے راجہ صحیح ہے۔

(۴۲) خُسر لغت فارسی نہیں خسرے کی تنزلیں سے خُسر پیدا ہوا ہو تو کیا عجب ہے یہ لغت عربی الاصل نہیں ہندی ہے۔

(۴۳) خمیراں بروزن زرگراں لغت عربی ہے نہ معرب۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ پھول ہندوستان میں ہوتا ہے یا نہیں اس کی تحقیقات از روئے الفاظ الادویہ ممکن ہے۔

(۴۴) نظر شگفتن۔ گوش شگفتن ہم نہیں جانتے اگرچہ مولانا نور الدین ظہوری نے لکھا ہے

س نظارہ راز خون بلم گل در آستیں   خونش نگو بگو کہ زچشم چمن چکید

یہ نہ سمجھنا کہ چمن از چشم چکیدن شگفتن گوش و نظر کی مانند غرابت رکھتا ہے۔ چشم کا استعارہ ہے۔ اور خوں فشانی صفت چشم ہو سکتی ہے۔ اگر نظر کا خوش ہونا اور کان کا شاد ہونا جائز ہوتا تو ہم اس کا استعارہ بہ شگفتگی کر لیتے خوش ہونا۔ جب صفت چشم و گوش نہ ہو تو ہم کیا کریں۔

(۴۵) بندہ پرور۔ بیش از بیش۔ کم از کم یہ ترکیب بہت صحیح ہے۔ یاد رہے کہ بیشتر از بیش و کمتر از کم بحسب معنی جائز ہے لیکن فصاحت اس میں کم ہے۔ بیش از بیش کم از کم فصیح ہے۔ تفتہ شاگرد غالب سے

قیس از تو نہ ایم کم دلے صبر   بیش است ترا کم است مارا

پہلے مصرع میں اگر کمتر ہوتا تو بہت اچھا تھا اتنا خیال رہے کہ ایسی جگہ تر کا لفظ افصح ہے چنانچہ میرا شعر ہے سے

جلوہ کن منت منہ از ذرہ کمتر نیستم   حسن با ایں تابناکی آفتاب بیش نیست

(۴۶) اہل فارس میں ناشتہ کا مفہوم نہار منہ ہو۔ عرفی کہتا ہے۔ مصرع

روح را ناشتہ فرستادی

یعنی غذائے صبح جیسا ہندی میں مشہور ہے کہ اس نے ناشتہ بھی کیا ہے یا نہیں؟

(۴۷) صاحب برہان قاطع ہر لغت کو تینوں حرکتوں سے لکھتا ہے۔ زیر زبر پیش کا تفرقہ منظور نہیں رکھتا۔ پھر لکھتا ہے یوں بھی آیا ہے اور یوں بھی دیکھا۔ جس لغت کو کاف عربی سے لکھے گا۔ کاف فارسی کو بھی بیان کریگا۔ جس لفظ کو طائے حطی سے لائے گا تائے قرشت سے بھی ضرور لکھے گا فضلائے کلکتہ کے حاشئے دیکھو وہ اس کی کیا تحقیق کرتے ہیں۔ بنیا نبوت کے مشتقات میں سے ہرگز نہیں۔ امامن اماہی کے مشتقات میں سے زنہار نہیں۔ نبی بخش کا مخفف نبیا اور امام کا متعلق اگر مذکر ہے تو امامی اور اگر مونث ہے تو امامن۔ ظفر نے ہندی لغت کے وانے کا التزام کیا ہے۔ ع

وقت آں آمد کہ بینا راگ ہندی سرکند

اور اساتذہ کو اس کا التزام منظور نہیں۔ گرگا نوہ نام ہی ایک گانو کا اسے کہنگر بدلیں۔ یاں گرنہ رائے قرشت کہیں گے لکھنئو نام شہر کا وہ لکھنئو بغیر ہائے مخلوطہ کہیں گے فی زمانہ چھاپے کو چھاپ بولتے ہیں۔ عرفی جھکڑ کو جکڑ بولتا ہے۔ ع

آں بادکہ در ہند گر آید جکڑ آید

رائے ثقیلہ۔ ہائے مخلوطہ۔ شدید۔ یہ تینوں ثعالبیں متادہیں۔ صاحب برہان قاطع اس لفظ کو اور زبان علمی اہل ہند میں بھی اس کو مشترک جانتا ہی اپنے کو رسوا اور خلق کو گمراہ کرتا ہے ؎

ہر زہ مشتاب وپے جادہ شناساں بردار اے کہ در راہ سخن چوں تو ہزار آمد و رفت

اہلِ ہند میں سوائے خسرو دہلوی کے کوئی مسلم الثبوت نہیں۔ میاں فیضی کی بھی کہیں
کہیں ٹھیک نکل جاتی ہے۔ نظامی، سعدی وغیرہ کی لکھی ہوئی فرہنگ ہو تو اس کو ہم مانیں
ہندیوں کو کیونکر مسلم الثبوت جانیں؟

(۴۸) ارغنون بفتحِ مضموم غلط ہے دراصل ارغنون بفتح مفتوح اور مخفف اس کا
ارغن اور مبدل منہ ارگن ہے۔

(۴۹) فرفرہ۔ لفظ فارسی ہے۔ مرادف جاہ کے پس جاہ کو بغیر ترکیب دیے ہوئے
نہ لکھو۔ عالی جاہ۔ مظفر فریدوں۔ فریوں بھی درست ہے۔

(۵۰) صاحب دو زبانوں سے مرکب ہے۔ یہ فارسی متعارف۔ ایک فارسی ایک
عربی۔ ہر چند اس متعلق میں لغات ترکی بھی آجاتے ہیں۔ کمترین عربی کا عالم نہیں مگر نرا
جاہل بھی نہیں۔ بس اتنی بات ہے اس زبان کے لغات کا محقق نہیں ہوں۔ طلباء سے پوچھنے
کا محتاج اور سند کا طلبگار رہتا ہوں۔ فارسی میں مبدار فیاض سے مجھے دستگاہ ملی ہے
کہ اس زبان کے قواعد و ضوابط میری ضمیر میں اس طرح جاگزیں ہیں جس طرح فولاد میں
جوہر۔ اہلِ فارس میں اور مجھ میں دو طرح کے تفاوت ہیں ایک تو یہ کہ ان کا مولد ایران
اور میرا مولد ہندوستان دوسرے یہ کہ وہ لوگ آگے پیچھے سو دو سو چار سو آٹھ سو برس
پہلے پیدا ہوئے۔

(۵۱) جود لغت عربی ہے بمعنی بخشش۔ جواد صیغہ ہے صفت مشبہ کا بے تشدید اس
وزن پر بصیغہ فاعل میری سماعت میں جو نہیں آیا تو میں اس کو خود نہ لکھوں گا مگر چونکہ نظیری

شعر میں لایا اور وہ فارسی کا مالک اور عربی کا عالم تھا میں نے مانا۔

(۵۲) زماں لفظ عربی ازمنہ جمع دونوں طرح فارسی میں مستعمل زمانے یک زماں ہر زماں، زماں۔ دریں زماں۔ دراں زماں سب صحیح اور فصیح بلکہ اہلِ فارس نے مثل موج موجہ یہاں بھی (ہ) بڑھا کر زمانہ استعمال کیا ہے۔ یک زماں کو میں نے کبھی غلط نہ کہا ہوگا۔ میرے ہم وطن یعنی ہندی لوگ جو وادیٔ فارسی دانی میں قدم مارتے ہیں وہ اپنے قیاس کو دخل دے کر ضوابط ایجاد کرتے ہیں۔ جیسا عبدالواسع ہانسوی لفظ نامراد کو غلط کہتا ہے قتیلؔ صفوت کدہ، نشتر کدہ اور ہمہ عالم اور ہمہ جا کو غلط کہتا ہے۔ کیا میں بھی ویسا ہی ہوں جو یک زماں کو غلط کہوں گا۔ فارسی کی میزان یعنی ترازو میرے ہاتھ میں ہے۔

(۵۳) ؎ مجھ تک کب اُن کی بزم میں آتا تھا دورِ جام
ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

یعنی اب جو دور مجھ تک آیا ہے تو میں ڈرتا ہوں۔ یہ جملہ سارا مقدر ہے میرا فارسی کا دیوان جو دیکھے گا وہ جانے گا کہ جملے کے جملے مقدر چھوڑ جاتا ہوں مگر ؏

ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مکانے دارد

یہ فرق البتہ وجدانی ہے بیانی نہیں ؎

اگر دریافتی بردانشت بوس   دگر غافل شدی افسوس افسوس

(۵۴) ؏ گردشِ چرخ استخواں سائید

اس سے یہ بہتر ہے ؏ سودہ شد استخواں ز گردشِ چرخ

یہ اصلاح ہرگوپال تفتہ کو دی گئی ہے۔

(۵۵) عبدالواسع ہانسوی بے مراد کو صحیح نامراد کو غلط لکھتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ترکیبیں دونوں صحیح لیکن بے مراد غنی کو کہتے ہیں اور نامراد محتاج کو۔ میرزا صائب سے

نامرادی زندگی بر خویش آساں کردہ است ترکِ جمعیت دلِ خود را پریشاں کردہ است

اغنیا خواہ اہل توکل خواہ اہل تمول متوکلین پر کبھی کام آسان نہیں ہوتا بلکہ مفلسوں سے زیادہ ان پر مشکلیں ہیں۔ رہے اہل توکل ان کی صنفیں اور ہیں وہ اہل اللہ ہیں۔ مقربانِ بارگاہِ کبریا ہیں۔ دنیا پر پشت پا مارے ہوئے ہیں۔ کام ان پر کب مشکل تھا کہ انھوں نے آسان کر دیا۔ نامراد صیغہ مفرد ہے۔ مساکین کی شرح ضرور نہیں تہی کشی اور بے نوائی تہیدستی و گدائی یہ اوصاف ہیں۔ مساکین کے ان صفات میں سے ایک صفت جس میں پائی جائے وہ مسکین و نامراد۔ البتہ مساکین پر نہ ایک کام بلکہ سب کام آسان ہیں نہ پاس ناموس و عزت نہ حب جاہ و مکنت نہ کسی کے مدعی نہ کسی کے مدعا علیہ۔ دن رات میں دو بار روٹی ملی بہت خوش۔ ایک بار ملی بہر حال خوش۔ مساکین کی زندگی جیسا کہ میں اوپر لکھ آیا ہوں آسان گزرتی ہے یا اغنیا کی۔ رہا مولوی معنوی علیہ الرحمۃ کا شعر ؎

عاقلاں از بے مرادی ہائے خویش باخبر گشتند از مولائے خویش

میں نے مثنوی کے ایک نسخہ میں عاقلاں کی جگہ عاشقاں دیکھا ہے۔ بہر صورت معنی یہ ہیں کہ عشاق یا عقلاء بعد ریاضتِ شاقہ ماسوی اللہ سے اعراض کر کے بے مراد و بے مدعا ہو گئے۔ یہ پایہ تسلیم و رضا ہے۔ البتہ اس رتبہ کے آدمی کو خدا سے لگاؤ

پیدا ہوگا۔ ع

با خبر گشتند از مولائے خویش

یہاں بھی بے مرادی سے نامرادی کے معنی لئے جاتے ہیں مگر ہاں۔ ع

بے مرادی مومناں از نیک و بد

دوسرا مصرع   در بہ کلی بے مرادی داشتی

ان دونوں مصرعوں میں نامراد اور بے مرادی کے معنی میں خلط واقع ہوگیا ہے خیر بے مراد اور نامراد ایک ہی ہر چند دوسرے مصرعہ مولوی میں بے مراد کے معنی بے خاصت کے درست ہوتے ہیں۔ مگر ع

من کر رندم شیوۂ من نیست بحث

زیادہ تکرار کیوں کروں معہذا مصرعۂ اول کی کچھ توجیہہ بھی نہیں کرسکتا۔ نامرادی ترکیب کی صحت علی الرغم عبدالواسع ثابت ہوگئی۔ فثبت المدعا۔ کمال یہ کہ مانند ناچار و بیچارہ اور نا انصاف اور بے انصاف کے نامراد اور بے مراد کا بھی مورد استعمال مشترک ہے

(۵۷) سہل ممتنع میں کسرۂ لام توصیفی ہے یعنی سہل موصوف اور ممتنع صفت اگرچہ بحسب ضرورت وزن کسرۂ لام متضاد ہوسکتا ہے لیکن محل فصاحت ہے اور لام موقوف تو خود سراسر قباحت ہے۔ سہل ممتنع نظم و نثر جو دیکھنے میں آسان نظر آئے اور اس کا جواب نہ ہوسکے بالجملہ سہل ممتنع کمال حسن کلام ہے۔ اور بلاغت کی نہایت ہے۔ ممتنع درحقیقت ممتنع النظیر ہے۔ شیخ سعدی کے بیشتر فقرے اس صفت پر مشتمل ہیں اور رشید وطواط

وغیرہ شعرائے سلف نظم میں اس شیوہ کی رعایت منظور رکھتے ہیں۔ خود شائق ہوتی ہے سخن فہم اگر غور کریگا تو فقیر کی نظم و نثر میں سہل ممتنع اکثر پائے گا ؎

ہے سہل ممتنع یہ کلام ادق مرا | برسوں پڑھے تو یاد رہیگا سبق مرا

یہ مصرع حیرت آور ہے کلام ادق سہل ممتنع کے منافی ہے پھر یاد نہ ہونا اور حافظہ پر نہ چڑھ جانا ہرگز سہل ممتنع کی صفت نہیں ہو سکتی۔ کلام ادق جس کا حفظ شدید دشوار ہو شاید کوئی قسم اقسام کلام میں سے ہو۔ ہاں کلام ادق کلام مغلق کو کہتے ہیں۔ سو کلام مغلق اور کلام سہل ممتنع ضد یک دیگر ہے مغلق اور ادق سہل ممتنع کیونکر ہو سکے گا۔ اور حافظہ میں محفوظ رہنا کلام مغلق اور ادق کی صفت کیوں کر پڑے گی۔ ہاں مغلق غیر الفہم پڑھا نہ جائے گا۔ معنی سمجھ میں نہ آئیں گے۔

(۵۷) آب در بنا رسیدن بمعنی خراب بنیاد و قیانوی ہے۔ اساتذہ کے کلام میں میں نے نہیں دیکھا اگر آیا ہے تو درست ہے ہاں یہ آرسانیدن بنا کہ ظاہر آب در بنا رسیدن کا متعدی منہ ہے بلغا کے کلام میں آیا ہے لیکن اضداد میں سے ہے ہم معنی ویرانی بنا مستعمل اور ہم معنی استحکام بنا اگر اس کا وازمی ڈھونڈیئے تو رسیدن بنا بہ آب نہ رسیدن آب در بنا جیسا کہ نعمت خان عالی کہتا ہے ؎

نیست محکم گر رسد بنیاد دنیا تا با آب | چوں حباب ایں خانہ بے بنیاد مید انیم ما

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسیدن بنا با آب موجب استحکام ہے اور شاعر با وجود دلیل استحکام بنا کو نا استوار جانتا ہے۔ صائب کہتا ہے ؎

چگونہ شمع زرشک فروغ نگداز د | رخ تو خانۂ آیئنہ را با آب رساند

حاجی محمد جان قدسی سے

بگزرش عطایش رساند این خطاب   کہ بنیاد کاں را رساند بآب

یہ دونوں شعر مفید معنی ویرانی ہیں۔ قصہ مختصر بآب رسید بخرابی خانہ و بآب رساندن متعدی آں در رسیدن آب در بنا۔

(۵۸) جفا کے مونث ہونے میں اہل دہلی و اہل لکھنؤ دونوں کو باہم اتفاق ہے کبھی کوئی نہ کہے گا کہ جفا مذکر ہے۔ ہاں بنگالہ میں جہاں بولتے ہیں کہ ہتنی آیا۔ اگر جفا کو مذکر کہیں تو کہیں ورنہ ستم ظلم مذکر بیداد اور جفا مونث ہے۔ بے شبہ و بے شک۔

(۵۹) سرشار پیالے کی صفت معنی لفظی اس کے لبریز پس شراب کو لبریز کیونکر کہیں گے اور یہ جو اردو میں مست و سرشار مترادف المعنی استعمال میں آتے ہیں امر جدا گانہ ہے۔ فارسی میں اردو کا تتبع ناجائز ہے۔

(۶۰) "رند عالم سوز" شعرائے عجم میں بمعنی رند بے نام و ننگ آیا ہے جیسا کہ استاد کہتا ہے۔ ؎ رند عالم سوز را با مصلحت بینی چہ کار

(۶۱) سہ ہیں اپنے گنہ مزیل امید   ایمان کہاں ہے ایک ڈر ہے

اس شعر میں قصد اچھا ہے مگر بیان ناقص ہے مطلب تو یہ ہے کہ صرف خوف اصل ایمان نہیں رجا کا بھی شمول چاہیے اور یہ بات اس تقریر میں نہیں نکلتی ہے۔

(۶۲) مولوی عبدالرزاق شاکر کو مرزا صاحب اپنے ایک مطلع کا مطلب ان الفاظ میں سمجھاتے ہیں :۔

حل۔ اک شمع ہے دلیلِ سحر سو خموش ہے　　یہ خبر ہے
ظلمت کدہ میں میرے شبِ غم کا جوش ہے　　یہ مبتدا ہے

شبِ غم کا جوش یعنی اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ ظلمت غلیظ سحر نا پیدگویا خلق ہی نہیں ہوئی ہے۔ ہاں دلیلِ صبح کی لو دیر ہے یعنی بجھی ہوئی شمع اس راہ سے کہ شمع و چراغ صبح کو بجھ جایا کرتے ہیں۔ لطف اس مضمون کا یہ ہے کہ جس شئے کو دلیلِ صبح ٹھہرایا وہ خود ایک سبب ہے منجملہ اسبابِ تاریکی کے پس دیکھنا چاہئے جس گھر میں علامتِ صبح مزید ظلمت ہوگی۔ وہ گھر کتنا تاریک ہوگا۔

(۶۳) متقابل ہے مقابل میرا　　رُک گیا دیکھ روانی میری

تقابل و تضاد کو کون نہ جانے گا۔ نور و ظلمت۔ شادی و غم۔ راحت و رنج وجود و عدم لفظ مقابل اس مصرع میں بمعنی مرجع ہے۔ جیسے حریف کہ بمعنی دوست بھی مستعمل ہے مفہوم شعر یہ ہے کہ ہم اور دوست از روئے خود عادت۔ ضد ہم دگر ہیں وہ میری طبیعت کی روانی دیکھ کر رک گیا۔

(۶۴) عبد الرزاق شاکر سہ

کوئی آتا نہیں آگے ترے بہتا ہوکر　　آئینہ جب نظر آیا ہے تو اندھا ہو کر

مطلع دلنشین ہے مگر اتنا تامل ہے کہ آئینہ کو اندھا کہنا چاہئے سہ

مردمِ چشم سیہ جب نظر آتا ہے ترا　　بیٹھ جاتا ہے مرے دل میں سویدا ہو کر

مردم۔ آنکھ کی پتلی مذکر نہیں معشوق کی قید کیا ضرور دعوئے حسن پرستی رہے عموماً

خوب ہے۔ ع۔ نظر آتی ہے جہاں مُردمکِ چشم سیاہ الخ

حرمتِ مے کے لئے پیرِ مغاں کا ہے حکم ریش قاضی کی رہے پنبۂ مینا ہو کر

یہ شعر بے لطف ہوگیا کس واسطے کہ جب قاضی کی ریش کہی تو وہ ایہام قاضی کہاں رہا

(۶۵) سیلاب چی ایک لفظ ہے ہندیان فارسی داں کا اصل لغت چلیچی اور یہ لغت ترکی ہے

(۶۶) زمانۂ حاضرہ میں استعارات کی وبائے عام ہے۔ "ترقی کی موج" "تمدن کا ستارہ" اور خدا جانے کیا کیا جدت طرازیاں ہو رہی ہیں۔ مرزا صاحب اس قسم کے استعارات کو ناجائز بتاتے ہیں اور ان کی منطق کے بموجب بحرِ ترقی کی موج بہر تمدن کا ستارہ درست ہو سکتا ہے چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں "در حباب آسمان" جب تک آسمان کو بحر یا دریا نہ کہیں حباب آسماں نہ قبول ہے نہ مسموع"۔

(۶۷) طرح بسکون رائے قرشت بمعنی قریب ہے لیکن اردو میں یہ لفظ مستعمل نہیں وہ دوسرا لفظ ہے۔ طرح بحرکت رائے قرشت بروزن فرح اس کو بسکون رائے مہملہ بولنا عوام کا منطق ہے۔ ہاں غزل طرح کی زمین طرح کی یہ بہ سکون اور بہ معنی روش و طرز وہ طرح ہے بفتحتین۔

(۶۸) نیم نگاہ۔ نیم گناہ۔ نیم ناز یہ روزمرہ اہلِ زبان ہے۔ نیم بمعنی اندک ورنہ گناہ کا آدھا نہ نگاہ کی ادھواڑ اور نہ ناز آدھا۔ یہ مہملات میں ہے۔

(۶۹) لفظ بے پیر۔ تورانی بچہ ہائے ہندی نژاد کا تراشا ہوا ہے۔ میں اپنے شاگردوں کو نہیں باندھنے دیا۔ مرزا جلال اسیرؔ اور ان کا کلام مستند ہے۔ میری کیا مجال ہے کہ ان کے باندھے ہوئے لفظ کو غلط کہوں لیکن تعجب ہے اور بہت تعجب ہے کہ امیر زادہ ایران ایسا لفظ لکھے' بے پیر

ایک لفظ ٹکسال باہر ہے ورنہ صاحب زبان ہونے میں امیر بھی ظہوری سے کم نہیں۔

(۷۰) خمیدن بھی صحیح ہے چمیدن بھی صحیح ہے۔اس میں کسی کو تردد ہے مگر لغت اور اصطلاح میں قیاس پیش نہیں جاتا۔ہندوستان کے باتونی لوگوں کو خم و چم بولتے سنا ہے۔آج تک کسی نظم و نثر فارسی میں یہ لفظ نہیں دیکھا۔لفظ پیارا مجھ کو بھی پسند ہے مگر کیا کروں جو اپنے پیشروں سے نہ سنا ہو اس کو کیوں کر صحیح جانوں۔چمید صیغہ ماضی کا چمیدن سے اور چمیدن ایک مصدر ہے صحیح اور مسلم۔چمد مضارع، چم امر اس میں کیا گفتگو ہے کلام چم و خم میں ہے۔

(۷۱) چھنی لفظ غریب ہے۔نہ اہل دہلی کے زبان زد، نہ گوش زد، یہ غربال کو چھلنی کہتے ہیں جس کی فارسی پرویزن ہے جس کپڑے میں سائلات[۱] کو چھانیں۔فارسی اسکی لالے پالا اور اُردو اسکی صافی ہے

(۷۲) لب ساحل کی سند میں طالب آملی لکھتا ہے ؎

مدتے آں نوائے خوبیں دل — بود بتخانۂ لب ساحل

لب بام، لب گور، لب چاہ، لب دریا، لب ساحل بمعنی کنارہ کے بھی مستعمل ہے اہل ایران لب بام اس مقام کو کہتے ہیں کہ جہاں ایک قدم آگے بڑھائے تو وہ سے لگتا ہی میں آئے پس لب دریا اسے سمجھئے جہاں سے قدم بڑھائے تو پانی میں آئے۔لب ساحل وہ ہوا جہاں سے آگے بڑھے تو دریا میں گرے۔لب دریا سے پانوں پانی پر رکھا جاتا ہے جیسا نہانے کے واسطے اور لب ساحل سے دریا میں کودتے ہیں جس طرح سلطان جی کی باؤلی میں لب بام سے تیراک کودتے ہیں۔اسی طرح تیراک جہاں دریا کا پانی نشیب میں ہوتا ہے۔وہاں کراڑے کے کنارے پر سے کودتے ہیں۔کراڑا ساحل اور کراڑے کا کنارہ لب ساحل۔

[۱] سائلات جمع سائلہ بہنے والی چیز (ا)

(۷۳) سخن ازدودنے مثل کیا ہے؟ چشمہ ہے۔ندی ہے۔سیل ہے۔دریا ہے کیسے زور کا پانی اس کا چڑھاؤ اس کی رفتار۔ اس پر کس کا زور کس کا اختیار جدھر منھ کیا ادھر ہی نالہ بہا دیا۔ دریا کی ہر کیا۔گھوڑے کی باگ ہر کہ کسی کے ہاتھ میں ہو۔ اہل خرد جہاں چاہیں اٹھالیں سخن ایک معشوقہ پری پیکر ہے تقطیع شعر اس کا لباس او مضامین اس کا زیور ہے۔

(۷۴) غزبیلہ کی ہندی نخرہ ہے۔فارسی میں غزبیلہ بولتے ہیں۔

(۷۵) تن تن اور تن تنا ہیں تار کے ہندی و فارسی میں مشترک۔

(۷۶) مرزا صاحب کی طرز اصلاح یہ تھی کہ وہ ایک لفظ شعر سے ہٹا کر دوسرا لفظ اسکی جگہ کر کر غالب سخن میں جان ڈال دیتے تھے۔ نواب مردان علی خاں رعنا کا یہ شعر تھا ؎

گزرا ہی مرا نالہ دو چرخ کہن سے　　　　تھا درخ کا ہمدم نہ پھرا جائے وطن سے

"نالہ در" کے بجائے "نالۂ دل" بنایا یعنی ؎

گزرا ہے مرا نالۂ دل چرخ کہن سے

(۷۷) ایک صاحب نے یہ اعتراض کیا کہ قاطع برہان کی ترکیب غلط ہے۔ مرزا صاحب نے یہ جواب دیا کہ برہان قاطع قاطع برہان کی ہم نظیر ہے۔ برہان قاطع نے کیا لکھا بنبوں منین ہکہ قطع کیا ہے جو آپ نے اس کو قاطع لقب دیا ہے۔ برہان جب تک کسی غیر کے برہان کو قطع نہ کرے کیونکر برہان قاطع نام پائے گی۔ برہان قاطع کی صحت میں جتنی تقریریں کی جائے وہ قاطع برہان کی صحت کے کام آئے گی

(۷۸) ؎　　ہردم آزردگی غیر سبب را چہ علاج

یہ غزل حافظ کی مشہور ہے۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں "غیر سبب" یہ کہاں کی بولی ہے؟ اسی طرح یہ مصرع۔ از خواندن قرآن تو قاری چہ فائدہ

عیاذاً باللہ حضرت امیر خسرو قرآن کو جو بسکون رائے قرشت والف محدودہ کو قرآن بروزن پران لکھیں گے یہ دونوں غزلیں دو گدھوں کی ہیں جن میں ایک نے حافظ اور دوسرے نے امیر خسرو لکھ دیا ہو۔

(۷۹) میرزا صاحب کا مصرع ہے ع

بانگلشیاں ستیزہ بیجا

طرفداران برہان قاطع کا یہ اعتراض ہے کہ انگلش کا نون تلفظ میں نہیں آتا میرزا صاحب اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ انگلش اور انگریزی کا نون باعلان کہاں ہے اور اگر ہے بھی تو ضرورت شعر کے واسطے لغات عربی میں سکون وحرکت کو بدل ڈالتے ہیں اگر انگلش کے نون کو غنہ کر دیا تو کیا گناہ کیا۔

(۸۰) نواب انور الدولہ سعید الدین خاں صاحب شفق کا یہ مصرع تھا ع

اے مطرب جادو فن با زمزمہ ہوشم زن

میرزا صاحب نے اس کی بابت یہ لکھا کہ دو میم آپڑے ہیں اور ایک میم محض بیکار ہے۔ دیگر کی جگہ آپ با زم لکھ گئے ہیں

اے مطرب جادو فن دیگر رہ ہوشم زن صحیح ہے

(۸۱) واقف ؎ نہ محرم قفس نہ بدام آشنا شدیم ۔ نفریں کنیم ساعت پرواز خویش را

یہ ہندی کی فارسی ہے بُری گھڑی۔ درد سبھ گھڑی اہل زبان ایسے موقع پر طالع کہتے ہیں

ع نفریں کنیم طالع پروازِ خویش را

(۸۱) قتیل سہ یک او جب جائے نگوے توز خون پاک بود

گشتہ برکشتہ نہان بود در گر خاک نہ بود

(۸۲) مرزا کو اپنے لڑکپن میں پتنگ اُڑانے کا بہت شوق تھا، نو دس برس کی عمر تھی اپنی حویلی سے راجہ بلوان سنگھ کا شی والے پتنگ کے پیچ لڑایا کرتے تھے ان کے دوست کنہیا لال نے ایک دفعہ کہا کہ پتنگ پر کچھ شعر کہو۔ مرزا کو شعر گوئی کا شوق بچپن سے تھا چنانچہ ایک مثنوی پتنگ پر لکھ دی۔ ملاحظہ ہو فرماتے ہیں ؎

ایک دن مثلِ پتنگ کاغذی / لے کے دل سر رشتۂ آزادگی

خود بخود کچھ ہم سے کنیانے لگا / اس قدر بگڑا کہ سر کھانے لگا

میں نے کہا اے دل ہوائے دلبراں / بس کہ تیرے حق میں رکھی ہے زباں

پیچ میں ان کے نہ آنا زینہار / یہ نہیں ہیں گے کسو کے دل کے یار

گورے پنڈے پر نہ ان کے کر نظر / کھینچ لیتے ہیں یہ ڈورے ڈال کر

اب تو مل جائے گی تیری ان سے سانٹھ / لیکن آخر کو پڑے گی ایسی گانٹھ

سخت مشکل ہو گا سلجھانا ترا / قہر ہے دل ان سے الجھانا ترا

یہ جو محفل میں بڑھاتے ہیں تجھے / بھول مت اس پر اُڑاتے ہیں تجھے

ایک دن تجھکو اُڑا دیں گے کہیں / مفت میں ناحق کٹا دیں گے کہیں

دل نے سُن کر کانپ کر کھا پیچ و تاب　　غوطے میں جا کر دیا کٹ کر جواب

رشتہ در گردنم افگندہ دوست　　مے برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

(۸۳) ایک دفعہ چند اربابِ سخن ایک جا تھے۔ نواب شیفتہ، حضرت آزردہ، صہبائی اور مولانا فضل حق کو مخاطب کر کے غالب نے اپنی ایک تازہ غزل سنائی۔ مرزا کی مشکل گوئی پر آزردہ نے اعتراض کیا۔ مولانا فضل حق بولے کہ "شعر ایسا کہا کرو جو قریب الفہم ہو اور چیستان نہ ہو" مرزا نے فی البدیہہ فرمایا:۔

مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل　　سُن سُن کے سخنورانِ کامل

آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمائش　　گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

(۸۴) مرزا کی چیستان گوئی کا ان کے احباب اکثر مذاق اڑاتے تھے، مولوی عبدالقادر رام پوری جو نہایت ظریف الطبع تھے ایک روز مرزا کے یہاں پہونچے اور بولے کہ آپ کا ایک شعر باوجود کوشش کے سمجھ میں نہیں آتا، مرزا کے دریافت کرنے پر انھوں نے یہ شعر پڑھا

پہلے تو روغنِ گل بھینس کے انڈے سے نکال　　پھر دوا جتنی ہے کل بھینس کے انڈے سے نکال

مرزا پہلے تو شعر سن کر بہت حیران ہوئے اور کہا کہ حاشا یہ شعر میرا نہیں ہے۔ ملا عبدالقادر از راہِ مزاح بولے کہ نہیں حضرت یہ شعر آپ کا ہے، مرزا جب ملا کے مزاح کو سمجھے تو کبیدہ خاطر ہوئے اور فرمایا ؎

نہ ستائش کی تمنا نہ صلہ کی پروا
گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی نہ سہی

(۸۵) اکثر تہواروں پر مرزا کے یہاں ڈومنیاں آیا کرتی تھیں۔ ایک ڈومنی سج دھج کے اعتبار سے آفت کی پرکالا تھی۔ مرزا اس سے دلچسپی لینے لگے۔ ایک دن مرزا خوشی میں بولے کہ تو مجھ سے مستقل طور سے وابستہ کیوں نہیں ہو جاتی۔ ڈومنی عقیدتاً شیعہ تھی، مرزا سے بغیر متعہ تعلق پسند نہ کرتی تھی مرزا کے لاکھ سمجھانے بجھانے پر بھی جب وہ راہ پر نہ آئی تو اس ستم پیشہ پر ایک شعر فرمایا۔ آپ بھی سن لیجئے ؎

اس جفا پیشہ پہ عاشق ہوں کہ سمجھے ہے اسدؔ
مال سنّی کا مباح اور خون صوفی کا حلال

(۸۶) مرزا کے زمانے میں گو فارسی زبان کا چراغ ٹمٹما رہا تھا لیکن مولانا فضل حقؔ، مفتی صدر الدین خاں آزردہؔ، مولوی عبداللہ خاں علویؔ، مولوی امام بخش صہبائیؔ، حکیم مومن خاں مومنؔ، نواب مصطفےٰ خاں شیفتہؔ۔ نواب ضیاء الدین خاں، نیرؔ میر غلام علی وحشتؔ اور مرزا غالب یہ سب جب یکجا ہو جاتے تو ذرا سی دیر کے لئے فارسی کی پھر گرم بازاری ہو جاتی ایک دفعہ ایسی ہی ایک صحبت میں مرزا نے سب کو مخاطب کر کے کہا کہ دیکھئے ایک ایرانی شاعر نے کتنی بلند غزل کہی ہے۔ اور یہ کہہ کر اپنی ایک غزل سنائی۔ آزردہؔ سمجھ گئے کہ غزل حضرت کی ہے مسکرا کر بولے کلام مربوط ہے مگر کسی نو آموز کا معلوم ہوتا ہے سب حاضرین ہنس پڑے۔ مرزا نے فوراً مقطع پیش کیا ؎

تو اے کہ محو سخن گسترانِ پیشینی
مباش منکرِ غالبؔ کہ در زمانہ تست

(۸۷) مرزا غالب ایک دفعہ آگرے تشریف لے گئے۔ مفتی کفایت اللہ ساحر نے ایک ادبی صحبت قائم کی، مہاراجہ بلوان سنگھ، راجہ امیر، گلزار علی شیون، غلام قطب الدین خاں الحن شورش، زین العابدین وغیرہ اس صحبت میں یکجا تھے۔ ایک شاعرہ دگلابی صنم بھی شریک بزم تھی صنم ایک عجیب انداز دلربائی وطرحداری سے داخل مجلس ہوئی مرزا صاحب نے برجستہ یہ شعر پڑھا ؎

سیاہ چوٹی زر افشاں تنگ، سبز ابھی دوشالہ سُرخ غضب ہے یہ بُرطاؤس میں کالے کو پالا ہے

یہ بزم مشاعرہ غیر طرحی تھی۔ شیخ احمد علی شیون نے جو غزل سنائی اس کے مقطع میں تعلّی فرمائی مقطع یہ ہے ؎

سن کر مرے اشعار وہ فرماتے ہیں شیون بندش ہے یہ کچھ اور یہ ہے طرز بیاں اور

مرزا شیون کی اس تعلّی پر چیں بہ جبیں ہوگئے، آپ نے اسی زمین میں پوری غزل کہہ کر یہ مقطع پڑھا۔

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور

(۸۸) مرزا پنشن کے معاملے میں کلکتہ تشریف لے گئے تو کچھ مدت کے لئے وہاں قیام فرمایا۔ وہاں مدرسۂ کلکتہ کے زیر اہتمام ماہانہ مشاعرہ ہوا کرتا تھا مرزا صاحب جب وہاں پہونچے تو ان کے اعزاز میں ایک خاص مشاعرہ ہوا اس مشاعرہ میں کفایت خاں نامی رئیس سفارت ہرات بھی شامل تھے مرزا نے ایک شعر پڑھا ؎

نبرد کے از عالم۔ از ہمہ عالم بیشم ہم چو موئے کہ بتاں راز میاں برخیزد

مجلس میں سے ایک صاحب نے "ہمہ عالم" کی ترکیب پر اعتراض کیا۔ ایک صاحب نے فرمایا کہ ہمہ کے ساتھ اس کا ربط قتیل کے اجتہاد کے مطابق جائز نہیں۔ کفایت خاں نے ہمہ عالم کی سند میں حافظ کا یہ شعر پیش کیا۔

مگر من آلودہ دامنم چہ عجیب ‏ ‏ ‏ ‏ ہمہ عالم گواہ عصمتِ اوست

اس سند کے باوجود لوگ خاموش نہیں ہوئے۔ غوغا مچانے لگے۔ جب مرزا سے نہ رہا گیا تو انھوں نے فرمایا "قتیل کون وہ فرید آباد کا کھتری بچہ میں کیوں اس فرومایہ کو سند ماننے لگا" غالب کے ارشاد پر لوگوں میں کافی اشتعال پیدا ہو گیا۔ مولوی محمد محسن اور نواب اکبر علی نے لوگوں کو سمجھایا۔ مگر مولوی احمد علی گوپاموی، مولوی احمد علی مدرس، وجاہت علی لکھنوی شاگرد قتیل وغیرہ نے اعتراضات کی بھرمار کر دی۔ غالب کی مشہور مثنوی "باد مخالف" اسی کی یادگار ہے اس میں مرزا نے جہاں سفر کلکتہ کی غرض وغایت بیان کی ہے وہیں اپنے مسلک اور اصول کی تشریح بھی کی ہے اور آخر میں قتیل کی ہجو ملیح کی ہے ملاحظہ ہو:۔

مے شوم خویش را بہ صلح دلیل ‏ ‏ ‏ ‏ مے سرایم نوائے مدح قتیل
گرچہ ایرانیش نخواہم گفت ‏ ‏ ‏ ‏ سعدی ثانیش نخواہم گفت

نزد نقش بال طاؤس است ‏ ‏ ‏ ‏ انتخاب صراح قاموس است

(۸۹) مرزا غالب حد سے زیادہ فضول خرچ تھے اور اپنی اس عادت کی بنا پر ہمیشہ مقروض رہا کرتے تھے۔ ایک قرضخواہ نے آپ پر مقدمہ دائر کر دیا۔ مرزا عدالت میں جواب دہی

کے لیے طلب ہوئے اتفاق سے مفتی صدرالدین صاحب صدرالصدور تھے ۔ان ہی کی عدالت میں مرزا کی پیشی ہوئی ۔جوابدہی میں مرزا نے یہ شعر پڑھا ؎

قرض کی پیتے تھے مے لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں
رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن

مفتی صاحب نے مرزا کے خلاف ڈگری تو دیدی مگر مدعی کو روپیہ اپنی جیب سے ادا کیا

(۹۰) مرزا کی کوتوال شہر سے چشمک ہو گئی نتیجہ یہ ہوا کہ مرزا کو جیل جانا پڑا اور چند دن وہ اس مصیبت کا شکار رہے، ایک دن نواب مصطفےٰ خاں ملنے پہونچے ۔مرزا بیٹھے ہوئے کپڑوں کی جوئیں چن رہے تھے، نواب نے حال پوچھا تو فی البدیہہ یہ شعر پڑھا ؎

ہم غمزدہ جس دن سے گرفتار بلا ہیں
کپڑوں میں جوئیں بخیوں کے ٹانکوں سے سوا ہیں

(۹۱) عام لوگوں کا خیال تھا کہ مرزا کسی مسلک کے پیرو نہیں ہیں بلکہ بے استاد کے ہیں ۔جو کچھ کہتے ہیں چیستاں کہتے ہیں جس کا سمجھنا مشکل ہوتا ہے ۔لوگوں کے اس خیال کے جواب میں اکثر یہ شعر پڑھ دیا کرتے تھے ؎

مجھے راہِ سخن میں خوفِ گمراہی نہیں غالبؔ
عصائے خضر صحرائے سخن ہے خامۂ بیدلؔ

(۹۲) آخر عمر میں غالبؔ جس مکان میں رہے وہ حکیم محمود خاں کے دیوان خانے کے قریب مسجد کے عقب میں واقع تھا ۔ایک صاحب نے آپ سے مکان کا پتہ پوچھا

برجستہ یہ شعر پڑھا ؎

مسجد کے زیرِ سایہ اک گھر بنالیا ہے
یہ بندۂ کمینہ ہمسایۂ خدا ہے

(۹۳) ایک روز مرزا غالب کے پاس کچھ لوگ بیٹھے تھے حکیم مومن خاں کا ذکر آگیا ایک صاحب نے ان کا ایک شعر پڑھا ؎

ذکر کر بیٹھیں برائی سے بھی میرا شاید
اب وہ اغیار کی صحبت سے حذر کرتا ہے

مرزا صاحب نے سنا اور اپنا یہ شعر پڑھا ؎

ذکر میرا بہ بدی بھی اُسے منظور نہیں
غیر کی بات بگڑ جائے تو کچھ دور نہیں

اس کے بعد مرزا بولے کہ ایک دفعہ حکیم مومن خاں نے مجھے اپنا یہ شعر سنایا ؎

میرے تغیرِ رنگ پر مت جا
تجھ کو اپنی نظر نہ ہو جائے

میں نے بجد تعریف کی اور اسی اثنار میں میرے ذہن میں بھی ایک شعر آگیا اور مومن خاں کے سامنے پیش کیا ؎

نظر لگے نہ کہیں ان کے دست و بازو کو
یہ لوگ کیوں مرے زخم جگر کو دیکھتے ہیں

(۹۴) ایک دفعہ بہادر شاہ ظفر نے دربار میں فرمایا کہ مرزا اسد اللہ خاں غالب شیعہ ہیں۔ مرزا کو اس کی خبر ہوئی، گھبرا گئے اور چند رباعیاں صفائی میں کہہ کر شاہ

کو سنائیں ایک آپ بھی سنیئے ؎

جن لوگوں کو ہے مجھ سے عداوت گہری | کہتے ہیں مجھے وہ رافضی اور دہری
دہری کیونکر ہو جو کہ ہووے صوفی | شیعی کیوں کر ہو ماوراء النہری

(۹۵) ایک جگہ اپنے خط میں مرزا لکھتے ہیں :-

پنشن مل جائے حواس ٹھکانے ہو جائیں تو کچھ فکر کروں جیسے کسی نے کہا نہیں ہے کہ "پیٹ پڑیں روٹیاں تو سبھی گلاں موٹیاں" ۔

(۹۶) ایک دن مرزا صاحب کے یہاں ان کے احباب جمع تھے سخن فہمی اور شعر گوئی پر بحث ہو رہی تھی، فارسی گو شعرا کا کلام پڑھا جانے لگا۔ ایک صاحب نے بابا فغانی کا یہ شعر پڑھا ؎

تا کہ دست قدر از دست تو بر بود قلم
کاغذیں پیراہن از دست قدر باد مرا

ایک صاحب نے فرمایا کہ ایسا ہی کمال اسمٰعیل نے بھی کیا ہے اس میں کاغذی جامہ اور کاغذی پیراہن باندھا لیکن اردو میں ایسا شعر کوئی نہیں، مرزا نے برجستہ یہ شعر پڑھا ؎

نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا
کاغذی ہے پیراہن ہر پیکر تصویر کا

(۹۷) مرزا تفتہ کو غالب لکھتے ہیں :-

بھائی ریمیا سیمیا خرافات ہے اگر ان کی کچھ اصل ہوتی تو ارسطو اور افلاطون

اور ابوعلی بھی اس باب میں کچھ لکھتے۔ کیمیا و سیمیا دو علم شریف ہیں جو اشیا کی تاثیر سے تعلق رکھتے ہیں وہ کیمیا جو اسمار سے متعلق ہو وہ سیمیا ہے

جان غم سیمیا نخورد گلے   دل سوئے کیمیا نیا ورد م

شعر بامعنی ہوگیا یہ نہ سمجھا کر دکر اگلے جو لکھ گئے ہیں وہ حق ہے۔ کیا آگے احمق آدمی پیدا نہیں ہوا کرتے تھے۔

(۹۸) خواجہ غلام غوث بے خبر کو لکھتے ہیں:۔

بندہ پرور اگر ایک بندۂ قدیم کہ عمر بھر فرمان پذیر رہا ہو بڑھاپے میں ایک حکم بجا نہ لاوے تو مجرم نہیں ہو جاتا۔ مجموعہ نثر اُردو کا انطباع اگر یہ لکھے ہوئے پیچ پر موقوف ہے تو اس کا مجموعہ چھپ جانا بالفتح میں نہیں چاہتا بلکہ چھپ جانا بالضم چاہتا ہوں۔ سعدی فرماتے ہیں ؎

رسم است کہ مالکانِ تحریر   آزاد کنند بندۂ پیر

(۹۹) ایک دن دیوان فضل علی خاں مرحوم جیرٹ میں سوار مرزا کے مکان سے گزرے اور مرزا سے ملاقات نہ کی۔ مرزا نے ان کو گزرتے ہوئے دیکھ لیا اسی وقت انھوں نے ایک رقعہ بدایں مضمون انھیں لکھا:۔

"آج مجھے اس قدر ندامت ہوئی کہ شرم کے مارے زمین میں گڑا جاتا ہوں اس سے زیادہ اور کیا نالائقی ہوگی کہ آپ کبھی نہ کبھی تو اس طرف سے گزرے، میں سلام کو حاضر نہ ہوا"۔

جب یہ رقعہ دیوان جی کے پاس پہنچا وہ نہایت شرمندہ ہوئے اور اسی وقت مرزا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

(۱۰۰) مرزا غالب نے ایک دفعہ مسہل لیا.................معالج نے مسہل کے دوران چلنے پھرنے کی ممانعت کر دی تھی۔ چنانچہ مرزا حاضر دربار شاہی نہ ہو سکے جب مسہل ختم ہوئے اور دربار میں حاضر ہوئے تو تین دن غیر حاضر رہنے کے عذر میں یہ قطعہ پڑھا:۔

سہل تھا مسہل ولے یہ سخت مشکل آپڑی
مجھ پہ کیا گزرے گی اتنے روز حاضر نہ ہوئے
تین دن مسہل سے پہلے تین دن مسہل کے بعد
تین مسہل میں تبریدیں یہ سب کے دن ہوئے

(۱۰۱) مولوی علی احمد خاں اسیر بدایونی جب دہلی پہونچے تو مرزا غالب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پہلے سے شعر و سخن میں اصلاح بھی لیا کرتے تھے جس وقت اسیر بدایونی پہونچے مرزا کے پاس اور چند حضرات بھی بیٹھے ہوئے تھے فارسی شعر کا ذکر آگیا۔ اسیر نے حسن بیگ رفیع کا یہ شعر پڑھا:

خوش و ہم زیں کہ یار نامہ و سیم شب و روز
مقصدم نیست کہ مکتوب رسد یا نہ رسد

مرزا صاحب نے شعر سنا اور برجستہ یہ شعر کہہ کر پڑھا

خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو
ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

تمام لوگ جھوم اُٹھے۔ امیرؔ نے کہا استاد آپ کا شعر رفیعؔ سے بہت بڑھ گیا۔

(۱۰۱) مرزا ایک دفعہ نواب رام پور کو لکھتے ہیں کہ:۔

" اگرچہ یہاں مینھ اس قدر برسا ہے کہ جس کے پانی سے زمیندار حاصل ربیع سے ہاتھ دھولیں۔ مگر چونکہ بہ فرمان ازلی مرے رزق کی برات آپ پر ہے۔ اور آپ کے ملک میں بارش خوب ہوئی ہے، ابرِ رحمت کے شکریہ میں ایک قطعہ ملفوف بہ سلام عرضی کے بھیجتا ہوں۔

قطعہ

مقام شکر ہے اے ساکنانِ خطۂ خاک
رہا ہے زور سے ابر ستارہ بار برس
کہاں ہے ساقیٔ مہوش کہاں ہے ابر مطیر
بیا کہ رائی گلگوں بہار برس
خدا نے تجھ کو عطا کی ہے گوہر افشانی
درِ حضور پر اے ابر بار بار برس
ہر ایک قطرہ کے ساتھ آئے حور اور ملک
امیر کلب علی خاں جئیں ہزار برس
فقط ہزار برس پر کچھ انحصار نہیں

کئی ہزار برس بلکہ بے شمار برس
جناب قبلۂ حاجات اس بلاکش نے
بڑے عذاب سے کاٹے ہیں پانچ چار برس
شفا ہو آپ کو غالب کو بندِ غم سے نجات
خدا کرے کہ اب ایسا ہو سازگار برس

مرزا غالب کے لطائف و ظرائف

ظرافت مزاجی۔ خوش طبعی قوموں کی زندہ دلی میں شامل ہے۔ زمانہ حال کی سائنس نے بے ساختہ لبوں پر آجانے والی ہنسی کو تندرستی کی علامت قرار دیا ہے مشرق اور مغرب کی ادبیات میں جو لطائف کا بیش بہا خزانہ ہے اس کو ترقی یافتہ زبانیں صدیوں تک محفوظ رکھتی ہوئی چلی آئی ہیں۔ دنیا میں کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں ظریف نہ ہوں۔ یورپ کی مہذب سوسائٹیوں میں ظرافت کی دیوی کا قدم پوجا جاتا ہے مشہور نمائشوں میں سب سے زیادہ ہنسانے والوں کو انعامات تقسیم ہوتے ہیں، مذاق، دل لگی، ٹھٹول نے ہر گروہ میں دخل پاکر انسانی حیات کے پیچیدہ مسائل کو آسان کر دکھایا ہے۔

جن لوگوں نے شہرت اور ناموری کی تاریخ میں جگہ پائی ہے وہ دیگر کمالات کے ساتھ ظرافت کی پوٹ بھی اپنے ساتھ لائے تھے۔ ادھر ان کے منہ سے کوئی بات نکلی، ادھر محفلیں گرما اٹھیں۔ دماغوں کی روشنی میں قابل قدر اضافہ ہو گیا۔ ذہن کی رسائی اور فکر کی بلندی میں چار چاند لگ گئے اگر ہم ظرافت کو علم یا فن تصور کریں تو اس کی ہزاروں قسمیں ہو سکتی ہیں۔ کوئی جماعت کوئی فرقہ ایسا نہیں ہے جس میں یہ عنصر اپنا کام نہ کر رہا ہو مگر زمانہ کے ساتھ اقوام کا مذاق بھی بدلتا رہتا ہے۔ مشرق میں بھی ایسے لطیفے

زندہ ہیں جن کی عمر حضرت مسیح سے بھی زیادہ ہے۔ رہے زمانہ وسطیٰ کے لطائف انھیں چند فرضی ناموں سے منسوب کیا جاتا ہے۔ دورِ حاضرہ میں خواجہ ناصر الدین اور بہلول کی فرضی کہانیوں، ملا دوپیازہ، بیربل، شیخ چلی کے مصنوعی چٹکلوں سے ہماری زبان اور انشاپردازی کو وہ فوائد حاصل نہیں ہو سکتے جو مشاہیر کی حاضر جوابی سے ہو سکتے ہیں۔

انیسویں صدی میں مرزا غالب مرحوم دہلوی نہ صرف بذلہ سنج اور جادو بیان شاعر تھے بلکہ علم محاضرات کے زبردست پروفیسر تھے جن کی حکیمانہ ظرافت ہر عہد میں تازہ رہ کر مردہ دلوں کو شگفتہ رکھ سکتی ہے۔ میں نے اس کتاب میں مرزا صاحب کے مشہور لطیفوں کے سوا ان کو بھی نہایت محنت اور کمال جانفشانی سے قلمبند کیا ہے۔ جو دیگر اردو تذکروں میں نہ ملیں گے۔ ہندوستان کے مشہور ادیب خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم تحریر کرتے ہیں کہ "جو کچھ مرزا صاحب کی زبان سے نکلتا تھا وہ لطف سے خالی نہ ہوتا تھا ظرافت مزاج میں اس قدر تھی کہ اگر ان کو بجائے حیوان ناطق کے حیوان ظریف کہا جائے تو بجا ہے"۔ ایک زندہ دل انسان کی بذلہ سنجیوں کو علم دوست حضرات کی میز تک پہنچانا غالباً موجودہ تعلیم یافتہ نوجوانوں کی دلچسپی میں ضرور اضافہ کا باعث ہوگا۔

o

ایک زمانے میں دلّی کے سخنوران باکمال لفظ 'رتھ' پر لمبے چوڑے مباحثے کرتے تھے۔ کچھ لوگ رتھ کو مذکر بتاتے تھے کچھ مؤنث کہے جانے پر زور دیتے تھے جب یہ مسئلہ مرزا صاحب کی جناب میں پہونچا تو انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ رتھ میں عورتیں بیٹھی ہوں تو اس کو مؤنث کہو اور مرد بیٹھے ہوں تو اس کو مذکر کہو۔

اہل دہلی جس موقع پر "اپنے تئیں" کا استعمال کرتے ہیں اسی موقع پر اہل لکھنؤ "آپ کو" بولتے ہیں۔ دونوں شہروں کی فطرتی رقابت اور اختلاف بیان مشہور ہے مرزا صاحب لکھنؤ تشریف لے گئے تو کسی صاحب نے ان دونوں لفظوں کو پیش کرتے ہوئے ان کی آزادانہ رائے دریافت کی۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ "اپنے تئیں" کے مقابلے میں "آپ کو" ضرور فصیح ہے مگر اس میں دقت یہ ہے کہ مثلاً آپ میری نسبت یہ فرمائیں کہ میں آپ کو فرشتہ خصائل جانتا ہوں اور میں اس کے جواب میں اپنی نسبت یہ عرض کروں کہ میں تو آپ کو کتے سے بدتر سمجھتا ہوں تو سخت مشکل واقع ہوگی۔ میں تو اپنی نسبت کہوں گا اور آپ ممکن ہے اپنی نسبت سمجھ جائیں۔ حاضرین یہ لطیفہ سن کر ہنس پڑے۔

مرزا صاحب کسی کوتوال کی جھوٹی رپورٹوں سے قید ہو گئے تھے۔ قید سے رہائی

ہوجانے کے بعد آپ میاں کالے صاحب کے مکان میں رہنے لگے۔ ایک روز میاں کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کسی نے آکر قید سے چھوٹنے کی مبارکباد دی۔ مرزا نے کہا "کون بھڑوا قید سے چھوٹا ہے پہلے گورے کی قید میں تھا اب کالے کی قید میں ہوں۔

نواب یوسف علی خاں والیٔ رامپور کا انتقال ہوجانے پر مرزا تعزیت کے لئے ریاست میں تشریف لیگئے تھے۔ جب نواب کلب علی خاں لفٹیننٹ گورنر سے ملنے کو بریلی آئے تو ان کی ہمراہی میں مرزا صاحب بھی تھے جو دہلی کو تشریف لے جارہے تھے۔ چلتے وقت نواب صاحب نے کہا "خدا کے سپرد" میرزا نے کہا حضرت خدا نے تو مجھے آپ کے سپرد کیا ہے اور آپ پھر الٹا مجھ کو خدا کے سپرد کرتے ہیں۔

مولوی امین الدین نے قاطع برہان کے جواب میں ایک رسالہ "قاطع قاطع" کے نام سے لکھا جو فحش الفاظ سے لبریز اور تہذیب سے گرا ہوا تھا۔ کسی نے کہا حضرت آپ نے اس کا کچھ جواب نہیں دیا۔ مرزا نے کہا کہ اگر کوئی گدھا تمہارے لات مارے تو تم بھی اس کے لات مارو گے ؟

لفظ "فراز" کو تمام فرہنگ نگاروں نے اضداد میں شمار کیا ہے اور اس کے معنی بند کرنے اور کھولنے کے بتائے ہیں مگر میرزا اس کو اضداد میں نہیں گنتے۔ اور اس کی بابت

یہ لکھتے ہیں کہ اس کی امر اجماعی قرار دینا ویسا ہی اجماع ہے جیسا کہ اہل شام نے خلافت یزید پر کیا تھا۔

میرزا صاحب آخر عمر میں اشعار کی اصلاح دینے سے گھبراتے تھے لیکن پھر بھی کسی کا قصیدہ یا غزل بغیر اصلاح واپس نہ کرتے تھے ایک صاحب کو لکھا کہ شاہ شرف بوعلی قلندر کو بہ سبب کبرسنی خدا نے فرض اور پیغمبر نے سنت معاف کر دی تھی میں متوقع ہوں کہ میرے دوست بھی خدمت اصلاح اشعار سے مجھے معاف کریں۔

ایک دفعہ جب رمضان ختم ہو چکا تو آپ قلعہ میں گئے۔ بادشاہ نے پوچھا میرزا تم نے کتنے روزے رکھے۔ نہایت سادگی سے کہا کہ پیر و مرشد ایک نہیں رکھا۔

ایک دن میرزا نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ سے ملنے کو تشریف لے گئے۔ مکان کے اندر ایک چھتّا تھا جو نہایت تاریک تھا۔ جب چھتّے سے گزر کر دیوان خانے کے دروازے پر پہونچے تو نواب صاحب وہاں ان کے لینے کو کھڑے تھے میرزا نے ان کو دیکھ کر یہ مصرع پڑھا

کہ آب چشمۂ حیواں درون تاریکی است

جب دیوان خانے میں پہونچے تو دالان میں مشرق رویہ ہونے کے سبب سے دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ میرزا نے فوراً یہ مصرع پڑھا

ایں خانہ تمام آفتاب است

شیخ ابراہیم ذوق دہلوی مرزا کے ہمعصر تھے اور ان دونوں میں ہمیشہ چوٹیں چلتی رہتی تھیں۔ میرزا کسی مجمع میں میر تقی کی تعریف کر رہے تھے وہاں ذوق بھی موجود تھے۔ انھوں نے سودا

کے پایہ شاعری کو میرے اونچا بتایا۔ میرزا نے کہا میں تو آپکو میری سمجھتا تھا مگر اب معلوم ہوا کہ آپ سودا ئی ہیں

میرزا جس مکان کے کمرے میں دن بھر بیٹھتے تھے وہ چھت پر تھا اور اس کے ایک طرف تنگ و تاریک کوٹھری واقع تھی اس کا در نہایت چھوٹا تھا جو اتنا سر جھکا تا تھا وہ اس میں داخل ہو سکتا تھا اس کے اندر صاف ستھرا فرش بچھا رہتا تھا میرزا گرمی اور لو کے موسم میں دس بجے سے تین چار بجے تک وہیں بیٹھتے تھے۔ ایک دن جبکہ رمضان کا مہینہ اور گرمی کا موسم تھا مولانا آزردہ ٹھیک دوپہر کے وقت میرزا سے ملنے کو چلے آئے اس وقت میرزا صاحب اسی کوٹھری میں کسی دوست کے ساتھ چوسر یا شطرنج کھیل رہے تھے مولانا بھی وہیں پہنچے اور میرزا کو رمضان کے مہینہ میں چوسر کھیلتے ہوئے دیکھ کر کہنے لگے ہم نے حدیث میں پڑھا تھا کہ رمضان کے مہینے میں شیطان مقید رہتا ہے۔ مگر آج اس حدیث کی صحت میں تردد پیدا ہو گیا۔ میرزا نے کہا قبلہ حدیث بالکل صحیح ہے۔ آپ کو معلوم رہے کہ وہ جگہ جہاں شیطان مقید رہتا ہے یہی کوٹھری ہے۔

ایک روز دوپہر کا کھانا آیا۔ دسترخوان بچھایا گیا۔ برتن بھانڈے کی کمی نہ تھی مگر کھانا بہت تھوڑا تھا۔ میرزا نے مسکرا کر کہا کہ "اگر برتنوں کی کثرت پر خیال کیجئے تو میرا دسترخوان یزید کا دسترخوان معلوم ہوتا ہے۔ اور جو کھانے کی مقدار کو دیکھیے تو بایزید کا"

برسات کا خوشگوار موسم تھا ننھی ننھی بوندیاں پڑ رہی تھیں۔ امروں میں جھولے پڑے ہوئے تھے، بہادر شاہ اور ان کے مصاحب جن میں میرزا بھی شامل تھے قدرتی فضا

کی سیر میں مشغول تھے۔ آم کے گھنے درخت طرح طرح کے آموں سے لدے ہوئے تھے۔ میرزا کی نگاہیں آموں سے لڑ رہی تھیں۔ بادشاہ نے پوچھا میرزا اس قدر غور سے کیا دیکھ رہے ہو ہاتھ باندھ کر عرض کیا۔ پیر و مرشد یہ جو کسی بزرگ نے کہا ہے ؎

بر سر ہر دانہ بنوشتہ عیاں

کایں فلاں ابن فلاں ابن فلاں

اس کو دیکھتا ہوں کہ کسی پر میرا اور میرے باپ دادا کا نام بھی لکھا ہے یا نہیں بادشاہ مسکرائے اور اسی روز ایک بہنگی آموں کی میرزا کو بھجوا دی۔

حکیم رضی الدین خاں جو میرزا کے نہایت گہرے دوست تھے۔ ان کو آم نہیں بھاتے تھے۔ ایک دن وہ میرزا کے مکان پر برآمدے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میرزا بھی وہیں موجود ہوئے ایک گدھے والا اپنے گدھے لئے ہوئے اس گلی سے گزرا۔ آم کے چھلکے پڑے تھے۔ گدھے نے ان کو سونگھ کر چھوڑ دیا۔ حکیم صاحب نے کہا دیکھئے آم ایسی چیز ہے جسے گدھا بھی نہیں کھاتا۔ میرزا نے کہا۔ بیشک گدھا نہیں کھاتا۔

میرزا کی نیت کبھی آموں سے سیر نہیں ہوتی تھی۔ اہل شہر تحفے کے طور پر بھیجتے تھے خود بازار سے منگواتے تھے۔ باہر سے دور دور کا آم آتا تھا مگر حضرت کا جی نہیں بھرتا تھا۔ ایک صحبت میں مولانا فضل حق، میرزا اور دیگر احباب جمع تھے ہر شخص آم کی نسبت اپنی اپنی رائے بیان کر رہا تھا کہ اس میں کیا کیا خوبیاں ہونی چاہئیں۔ جب سب لوگ اپنی اپنی کہہ چکے تو مولانا فضل حق نے میرزا صاحب سے کہا کہ تم بھی اپنی رائے بیان کرو

میرزا صاحب نے کہا کہ کبھی میرے نزدیک تو آم میں صرف دو باتیں ہونی چاہئیں۔ میٹھا ہو اور بہت ہو۔ سب حاضرین ہنس پڑے۔

ایک روز میر مہدی مجروح بیٹھے تھے اور میرزا پلنگ پر پڑے ہوئے کراہ رہے تھے۔ میر مہدی پاؤں دابنے لگے۔ میرزا نے کہا بھئی تو سید زادہ ہے مجھے کیوں گنہگار کرتا ہے انھوں نے نہ مانا اور کہا آپ کو ایسا ہی خیال ہے تو پیر دابنے کی اجرت دیدیجئے گا۔ میرزا نے کہا ہاں اس کا مضائقہ نہیں۔ جب پاؤں داب چکے تو انھوں نے اُجرت طلب کی۔ میرزا نے کہا بھیا کیسی اُجرت تم نے میرے پاؤں دابے میں نے تمہارے پیسے دابے حساب برابر ہوا۔

ایک دفعہ رات کو پلنگ پر لیٹے ہوئے آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے تاروں کو آسمانی چادر میں بکھرا ہوا دیکھ کر فرمایا۔ جو کام خود رائی سے کیا جاتا ہے اکثر بے ڈھنگا ہوتا ہے ستاروں کو دیکھو کس ابتری سے بکھرے ہوئے ہیں۔ نہ تناسب ہے۔ نہ انتظام نہ بیل ہے نہ بوٹا ہے مگر بادشاہ خود مختار ہے کوئی دم نہیں مار سکتا۔

ایک دن سید سردار میرزا مرحوم شام کو آئے۔ جب تھوڑی دیر ٹھہر کر وہ جانے لگے تو میرزا خود اپنے ہاتھ میں شمع دان لے کر کھسکتے ہوئے لب فرش تک آئے تاکہ روشنی میں جوتا دیکھ کر پہن لیں۔ انھوں نے کہا کہ قبلہ وکعبہ آپ نے کیوں تکلیف فرمائی۔ میں اپنا جوتا آپ پہن لیتا۔ میرزا نے کہا کہ میں آپ کا جوتا دکھانے کو شمع دان نہیں لایا بلکہ اس لئے لایا ہوں کہ کہیں آپ میرا جوتا نہ پہن جائیں۔

رمضان کے مہینے میں ایک سُنّی مولوی میرزا صاحب کی ملاقات کو تشریف لائے۔ عصر کا وقت تھا میرزا نے خدمت گار سے پانی مانگا مولوی صاحب نے تعجب سے کہا کیا جناب کا روزہ نہیں۔ میرزا نے کہا سُنّی مسلمان ہوں چار گھڑی دن رہے روزہ کھول لیتا ہوں۔

نواب علاء الدین مرحوم نے میرزا سے فرمائش کی کہ ولادت کی تاریخ اور لڑکے کا تاریخی نام نکال دیں جس کے جواب میں میرزا صاحب نے کہا کہ میرا ممدوح جیتا نہیں ہے نصیر الدین حیدر۔ امجد علی شاہ ایک ایک قصیدے میں چل دئے۔ واجد علی شاہ تین قصیدوں کے متحمل ہوئے پھر نہ سنبھل سکے جس کی مدح میں دس بیس قصیدے کہے وہ عدم سے بھی پرے پہونچا۔ نا صاحب دہائی خدا کی نہ میں تاریخ ولادت کہوں گا نہ تاریخی نام ڈھونڈوں گا۔

کسی نے امراؤ سنگھ نامی ایک شاگرد کی بیوی کے مرنے کا حال میرزا لکھا اور اس میں یہ بھی لکھا کہ اس کے ننھے ننھے بچے ہیں اب اگر تیسری شادی نہ کرے تو کیا کرے۔ میرزا نے اس کے جواب میں لکھا کہ اللہ اللہ ایک وہ ہیں جن کی دو دو بار بیڑیاں کٹ چکی ہیں اور ایک ہم ہیں کہ ایک اوپر پچاس برس سے جو پھانسی کا پھندا گلے میں پڑا ہے تو نہ پھندا ہی ٹوٹتا ہے نہ دم ہی نکلتا ہے۔

جاڑے کے موسم میں ایک دن طوطے کا پنجرا سامنے رکھا تھا طوطا سردی کے سبب پروں میں منھ چھپائے بیٹھا تھا میرزا نے دیکھ کر کہا میاں مٹھو نہ تمہارے جورو نہ بچے تم کس فکر میں یوں سر جھکائے بیٹھے ہو۔

ایک دفعہ میرزا مکان بدلنا چاہتے تھے۔ ایک مکان آپ خود دیکھ کر آئے اس کا دیوان خانہ پسند آگیا مگر محل سرانہ دیکھ سکے گھر پر آکر اس کے دیکھنے کے لئے بیوی کو بھیجا وہ دیکھ کر آئیں تو ان سے پسند ناپسند کا حال پوچھا۔ انھوں نے کہا اس میں تو لوگ بلا بتاتے ہیں میرزا نے کہا کیا دنیا میں آپ سے بڑھ کر بھی کوئی بلا ہے۔

میرزا الٰہی بخش خاں معروف ایک مقدس بزرگ تھے اور میرزا صاحب کے خسر تھے ایک بار انھوں نے میرزا صاحب سے شجرہ نقل کرایا آپ نے نقل کرتے وقت ایک نام لکھکر دوسرا حذف کر دیا تیسرا پھر لکھ دیا چوتھا پھر ساقط کر دیا۔ اس طرح شجرہ نقل کر کے ان کے حوالہ کیا وہ اس کو دیکھ کر بہت خفا ہوئے۔ کہا یہ کیا غضب کیا میرزا نے کہا حضرت آپ اس کا خیال نہ فرمایئے شجرہ دراصل خدا تک پہونچنے کا ایک زینہ ہے سو زینے کی ایک ایک سیڑھی بیچ سے نکال دی جائے تو چنداں ہرج واقع نہیں ہوتا۔ آدمی ذرا اُچک کر اوپر چڑھ سکتا ہے۔

ایک صاحب نے جو غالباً بنارس یا لکھنؤ سے دلی آئے تھے میرزا کے ایک شعر کی ان کے سامنے نہایت تعریف کی۔ میرزا نے کہا ارشاد ہو وہ کونسا شعر ہے انھوں نے میر امانی متخلص بہ اسد شاگرد میرزا رفیع کا یہ شعر پڑھا ؎

اسد اس جفا پر بتوں سے وفا کی
مرے شیر شاباش رحمت خدا کی

چونکہ شعر میں اسد تخلص واقع ہوا تھا۔ انھوں نے یہ سمجھا کہ میرزا غالب کا شعر

میرزا یہ سن کر بہت جُز بز ہوئے اور فرمایا اگر یہ کسی اور اسد کا شعر ہو تو اس کو رحمت خدا کی اور اگر مجھ اسد کا شعر ہے تو مجھ پر لعنت خدا کی۔" رحمت خدا کی" "مرے شیر" یہ دونوں عامیانہ محاورے ہیں اور میرزا صاحب عامیانہ خیالات سے اجتناب کرتے تھے۔

میرزا نے مرنے سے آٹھ برس پہلے اپنی تاریخ وفات کا مادہ نکالا تھا جس میں ۱۲۷۷ھ نکلتے تھے۔ اتفاق سے اسی سال شہر میں وبا آئی مگر میرزا بچ گئے۔ اس امر کی نسبت لکھتے ہیں۔ میاں ۱۲۷۷ھ کی بابت غلط نہ تھی یعنی اس سنہ میں مجھے مرنا چاہئے تھا۔ مگر میں نے اس وبائے عام میں مرنا اپنے لائق نہ سمجھا۔ واقعی اس میں میری کسر شان تھی۔ بعد فساد ہوا سمجھ لیا جائے گا۔

ایک مرتبہ چوبدار بادشاہی او لوشں لے کر آیا۔ ایک باہر کا رہنے والا طالب علم جو میرزا سے کچھ پڑھا کرتا تھا موجود تھا۔ چوبدار کے چلے جانے کے بعد اس نے میرزا سے متعجب ہو کر پوچھا کہ بیسنی روٹی ایسی کیا نادر چیز ہے کہ بادشاہ کی سرکار سے بطور الوشں تقسیم ہوتی ہے۔ میرزا نے کہا۔ ارے احمق چنا وہ چیز ہے کہ اس نے ایک دفعہ جناب الٰہی میں فریاد کی تھی کہ دنیا میں مجھ پر بڑے ظلم

ہوتے ہیں۔ مجھے دلتے ہیں، پیستے ہیں، بھونتے ہیں، پکاتے ہیں۔ اور مجھ سے سینکڑوں چیزیں بنا کر کھاتے ہیں۔ جیسا ظلم مجھ پر ہوتا ہے ایسا کسی پر نہیں ہوتا۔ وہاں کا حکم ہوا کہ اے چنے تیری خیر اسی میں ہے کہ ہمارے سامنے سے چلا جا۔ ورنہ ہمارا بھی یہی جی چاہتا ہے کہ تجھ کو کھا جائیں۔

بھوپال سے ایک صاحب دلی کی سیر کو آئے۔ میرزا صاحب سے بھی ملے وضع قطع سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ پرہیز گار آدمی ہیں۔ میرزا صاحب ان کے ساتھ عمدہ طریقہ سے پیش آئے مگر وہ ایسے وقت ان کے پاس پہنچے تھے جبکہ گلاس اور شراب کا شیشہ آگے رکھا تھا۔ ان بیچارے کو بادہ نوشی کی خبر نہ تھی۔ شربت کا شیشہ سمجھ کر ہاتھ میں اٹھا لیا۔ جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ اس میں شراب ہے تو یہ عذر کیا کہ میں نے شربت کے دھوکے میں اس کو اٹھا لیا تھا۔ میرزا صاحب نے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا اور کہا: زہے نصیب دھوکے میں نجات ہو گئی۔

ایک مرتبہ آپ ماہِ مبارک میں نواب حسین مرزا کے ہاں گئے اور ان سے پان کی فرمائش کی اس وقت ایک زاہد خشک بھی اس جلسہ میں موجود تھے زاہد خشک "کیوں حضرت آپ روزہ نہیں رکھتے؟" میرزا۔ "بھئی کیا کروں شیطان غالب ہے"۔

کسی نے میرزا صاحب سے دریافت کیا کہ اس کا کیا سبب ہے کہ مجھو موسم سرما میں اپنے گھر سے باہر نہیں نکلتے۔ آپ نے فرمایا کہ گرمی میں اس بیچارے کی کونسی عزت ہوتی ہے جو جاڑے میں گھر سے باہر نکلے"۔

ایک کھنکھجورے کو ایک لنجے نے مار ڈالا۔ میرزا صاحب نے دیکھ کر کہا: دیکھیے جب موت آتی ہے تو ہزار پا ایک بے دست و پاسے نہیں بھاگ سکتا۔

میرزا صاحب (اپنے شاگردوں سے) "جب میں مر جاؤں تو کہیں سے پرانا کفن لانا اس میں مجھ کو لپیٹ کر رکھ دینا۔"

شاگرد: "اس سے کیا فائدہ؟"

میرزا صاحب: "جب منکر نکیرین آئیں گے تو پرانا کفن دیکھ کر بے سوال و جواب کے پلٹ جائیں گے"۔

مولانا صہبائی: "پنج رقعہ اور مینا بازار بھی ظہوری کی تصنیف سے ہیں؟"

میرزا غالب: "ظہوری کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ نثر کے ساتھ نظم نہ لکھے تمام سہ نثر میں ایسا ایک صفحہ مشکل سے نکلے گا جس میں نثر نہ ہو اور نظم نہ ہو تمام پنج رقعہ و مینا بازار میں ایک شعر کے سوا کہ وہ بھی ظہوری کا نہیں نظم کا کہیں پتہ نہیں۔ یہ بات

سمجھ میں نہیں آتی جو شخص نظم و نثر دونوں چیزوں پر قدرت رکھتا ہو اور اس کی نثر میں کہیں نظم نہ پائی جائے۔"

مولانا صہبائی:- "ایسے اتفاقات اکثر ہوتے ہیں۔ یہ محض اتفاق کی بات ہے۔"

میرزا غالب:- مگر یہ ایسا اتفاق ہے کہ ایک شخص ہر لحاظ سے نہایت سنجیدہ و شائستہ اور معقول آدمی ہے مگر اتفاق سے کبھی کبھی کاٹ بھی کھاتا ہے"۔

میرزا صاحب فرماتے تھے کہ پانچ لشکروں کا حملہ پے در پے دلّی پر ہوا۔ پہلا باغیوں کا لشکر اس میں اہل شہر کا اعتبار لٹا۔ دوسرا لشکر خاکیوں کا اس میں جان و مال و ننگ مکان و مکین و آسمان و زمین آثار ہستی سراسر لٹ گئے تیسرا لشکر کا اس میں ہزاروں آدمی بھوکوں مر گئے۔ چوتھا لشکر ہیضہ کا اس میں پیٹ بھرے مر گئے۔ پانچواں لشکر افلاس کا اس میں تاب و طاقت عموماً لٹ گئی۔

میرزا صاحب ایک روز اپنے دوست کی ملاقات کو گئے۔ دوست کی یہ عادت تھی جب کوئی ملنے والا آتا تو وہ یہ مصرع پڑھا کرتے تھے ؎

بیا برادر آ درے بھائی

وہ حسب معمول میرزا صاحب کی تعظیم کو اٹھے اور یہ مصرع پڑھا ابھی یہ دونوں بیٹھے ہی تھے کہ اُن دوست کی رنڈی بھی آ گئی۔ میرزا صاحب نے کہا کہ ہاں حضرت

اب دوسرا مصرعہ بھی پڑھ دیجئے کہ ع
بنشیں مادر بیٹھو ری مائی

میرزا صاحب کی بہن ایک مرتبہ سخت علیل ہوگئیں۔ میرزا ان کی عیادت کو گئے۔ پوچھا کیا حال ہے؟ وہ بولی مرتی ہوں اور قرض کا بار اپنی گردن پر لئے جاتی ہوں۔ میرزا صاحب نے کہا یہ فکر بیکار ہے کیا خدا کے یہاں بھی مفتی صدر الدین ہوں گے جو ڈگری کر کے پکڑ بلوائیں گے۔

ایک شاگرد:۔ "حضرت آج میں امیر خسرو کی قبر پر گیا تھا۔ مزار پر کھرنی کا درخت ہے۔ اس کی کھرنیاں میں نے خوب کھائیں۔ کھرنیوں کا کھانا تھا کہ فصاحت و بلاغت کا دروازہ کھل گیا۔ دیکھئے میں کیسا فصیح و بلیغ ہو گیا ہوں"۔
میرزا صاحب:۔ "ارے میاں تین کوس کیوں گئے۔ میرے پچھواڑے کے پیپل کی پیپلیاں کیوں نہ کھالیں جو چودہ طبق روشن ہو جاتے"۔

دلی میں فارسی کا مشاعرہ تھا۔ میرزا نے اپنی غزل میں یہ مصرع پڑھا ع
بوادئ کہ دراں خضر را عصا خفت است
مفتی صدر الدین خاں صہبائی کی تحریک سے اعصا خفت است میں کلام ہے

. میرزا غالب:۔ حضرت میں ہنادی نژاد ہوں میرا عصا پکڑ لیا۔ اس شیرازی کا عصا نہ پکڑا جس نے یہ کہا ہے ع

. وے بحملۂ اوّل عصلائے شیخ بخفت

میرزا نے حضرت صاحب عالم مارہروی سے ان کا سن ولادت دریافت کیا انھوں نے لکھا کہ میرا سال ولادت لفظ تاریخ سے نکلتا ہے جس کے عدد ۱۲۱۱ھ ہیں۔ میرزا کی ولادت ۱۲۱۲ھ میں واقع ہوئی تھی چنانچہ اس کے جواب میں میرزا نے یہ شعر لکھ بھیجا ؎

ہاتف غیب سن کے یہ چیخا

ان کی تاریخ میرا تاریخا

موسم سرما میں ایک نواب صاحب میرزا کے ہاں تشریف لائے۔ میرزا نے ایک گلاس شراب سے بھر کر ان کے آگے رکھ دیا۔

نواب صاحب:۔ "میں توبہ کر چکا ہوں"۔

میرزا صاحب:۔ (حیرت زدہ ہو کر) کیا جاڑے میں بھی؟"

غدر میں جب میرزا کرنل براؤن کے روبرو گئے تو اس وقت کلاہ پپاخ

ان کے سر پر تھی۔ کرنل براؤن: "ول تم مسلمان ہے۔؟"
میرزا صاحب: "آدھا"۔
کرنل براؤن: "اس کا کیا مطلب؟"
میرزا صاحب: "شراب پیتا ہوں سور نہیں کھاتا"۔
کرنل یہ سن کر ہنس پڑا۔

برہان قاطع کے طرفدار میرزا کو خطوط میں گالیاں لکھ کر بھیجتے تھے۔ ایک خط میں ماں کی گالی لکھی ہوئی تھی مسکرا کر کہنے لگے اس اُلّو کو گالی دینی بھی نہیں آتی۔ بڈھے یا ادھیڑ آدمی کو بیٹی کی گالی دیتے ہیں تاکہ اس کو غیرت آئے۔ جوان کو جورو کی گالی دیتے ہیں کیونکہ اس عمر میں جورو سے زیادہ تعلق ہوتا ہے۔ بچے کو ماں کی گالی دیتے ہیں کہ وہ ماں کی برابر کسی سے مانوس نہیں ہوتا۔ یہ قرم ساق جو بہتر برس کے بڈھے کو ماں کی گالی دیتا اس سے زیادہ کون بیوقوف ہو گا؟"

مرزا غالب رام پور گئے ہوئے تھے۔ حضرت جلالؔ مرزا صاحب سے ملنے آئے مرزا شراب نوشی میں مصروف تھے۔ ایک جام مئے ناب سے بھر کر جلالؔ کے سامنے پیش کیا۔ کیا۔ انھوں نے کہا میں نہیں پیتا ہوں۔ مرزا نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا آج تو ابر ہے۔ جلالؔ نے کہا حضرت مجھے اس سے رغبت نہیں ہے۔ غالبؔ بولے

اجی حضرت ابھی تک بے سردی بھی ہے آخر ملال جھلا سے گئے اور کہنے لگے حضرت میں حرام جانتا ہوں اس پر مرزا مسکرائے اور کہنے لگے پھر یہ شعر آپ نے کیونکر کہا ہے

رات مے خوب سی پی صبح کو توبہ کرلی
رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

ایک دن مرزا صاحب قلعۂ معلی گئے اور ابوظفر بہادر شاہ کی خدمت میں باریاب ہوئے باتیں کر رہے تھے مگر دل کہیں اور تھا۔ بادشاہ نے کہا مرزا کوئی غزل بھی کہی ہے۔ آپ نے فرمایا جی ہاں۔ اور کہنے لگے ؎

گھر جب بنالیا ترے در پر کہے بغیر
جانے گا اب بھی تو نہ مرا گھر کہے بغیر

پوری غزل سنا کر مقطع پر درد لہجہ میں کہتے ہیں ؎

غالب نہ کر حضور میں تو بار بار عرض
ظاہر ہے تیرا حال سب اُن پر کہے بغیر

بادشاہ مُسکرادیے اور کہا ہاں حکیم صاحب سے وہ ایک مرتبہ ذکر کیا تھا پھر خیال نہ رکھا ناظر کو بلاؤ وہ حاضر ہوئے ان سے کہا مرزا صاحب کو جو ضرورت ہو دے دو۔ مرزا صاحب سلام کر کے چلے آئے۔

مرزا غالب کو حکیم احسن اللہ خاں نے بادشاہ ابوظفر سے کہہ سن کر شاہانِ مغلیہ

کی تاریخ لکھنے پر مقرر کر دیا۔ پہلا حصہ مہر نیم روز ہے دیباچہ میں شاہ ظفر کے متعلق لکھتے ہیں

شبلی از منبر دہر آوازِ عشق — شاہ بر تخت گوید رازِ عشق
شاہ بادا در ہیم در رہروی — خرقہ پیری و تاجِ نیصری
شاہی و درویشی اینجا باہم است — بادشاہ عہد قطب عالم است

حضرت ذوقؔ اور مرزا غالب میں شاعرانہ چشمک تھی۔ ذوقؔ کا قلعہ معلیٰ میں طوطی بول رہا تھا۔ بادشاہ کے اُستاد کیا تھے جگت استاد بنے ہوئے تھے۔ اکثر شہزادے مرزا غالب سے مانوس تھے۔ مرزا بلانے پر قلعہ جایا کرتے تھے۔ حضرت ذوقؔ کی کوشش رہتی تھی کہ مرزا اسد اللہ خاں کا کہیں قلعہ میں سکہ نہ جم جائے تو ان کی ریختہ گوئی پر حرف گیری کیا کرتے تھے خضر سلطان کو مرزا سے تلمذ تھا انھوں نے قلعہ والوں کی باتیں مرزا سے جا کہیں۔

مرزا فرماتے ہیں ؎

فارسی بیں تا بہ بینی نقش ہائے رنگ رنگ — بگذر از مجموعۂ اردو کہ بے رنگ من است
راست می گویم من واز راست سر نتواں کشید — ہرچہ در گفتار فخر تست آں ننگ من است

مولوی اکرام اللہ مرحوم فرماتے تھے ایک دن تمام احباب مرزا صاحب کے پاس بیٹھے ہوئے تھے فارسی شعراء کا کلام پڑھا جا رہا تھا۔ ایک صاحب نے بابا فغانی کا شعر پڑھا

تا کہ دست قدر از دست تو بر بود قلم — کاغذیں پیرہن از دست قدر بار مرا

ایک دوسرے صاحب نے کہا کمال اسمٰعیلی نے بھی کاغذی پیرہن کو کاغذی جامہ لکھا ہے وہ کہتا ہے ؎

کاغذی جامہ بپوشید و بدرگاہ آمد   زادۂ خاطرِ من تا بدہی داد مرا

مرزا صاحب نے کچھ سکوت کیا اور فرمایا ؎

نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

تمام دوستوں نے اس شعر کی بے حد داد دی اور کہا کہ حاضر جوابی اس کو کہتے ہیں

حکیم مومن خاں مومن کے یہاں احباب کا مجمع تھا۔ مرزا غالب، نواب شیفتہ، مفتی صدرالدین خاں آزردہ، حکیم آغا جان عیش جیسے حضرات شریکِ صحبت تھے، قاضی نجم الدین الدین برقی سکندر آبادی بھی حکیم صاحب سے ملاقات کے لئے حاضر ہوئے ناسخ لکھنوی کے کلام پر بحث تھی۔ میر تقی میر کا بھی ذکر آگیا۔ مرزا غالب نے فی البدیہہ فرمایا ؎

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ
آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میر نہیں

عیش کہنے لگے استاد ناسخ نے کیا خوب شعر کہا ہے ؎

یوں نزاکت کو گراں سرمہ ہے چشمِ یار پر   جسطرح ہو رات بھاری مردمِ بیمار پر

ہر ایک نے توجہ سے سُنا اور داد دی۔ برقؔ سکندرپوری نے دست بستہ عرض کی کہ حضرت ناسخؔ نے سرمۂ چشمِ یار پر لکھ کر جذبات کا ثبوت دیا ہے اور ہم سے نوآموزوں کے لیے اب تو سند ہو گئی اور ادھر استادوں نے توثیق بھی کر دی حکیم صاحب بولے میاں برقؔ خوب بات پیدا کی اور معقول گرفت ہے۔ برقؔ کہنے لگے حضور اس طرح پر میں نے بھی کچھ عرض کیا ہے بنظرِ اصلاح عرض کرتا ہوں ؎

بل پڑا غصہ میں اُن کے ابروئے خمدار پر | اور ایک تلوار پیدا ہو گئی تلوار پر

مطلع عرض ہے ؎

طور پر اے برقؔ وہ جلوہ موسیٰ کو ہوا | دیکھتے ہیں ہم مدینہ کے در و دیوار پر

مرزا غالبؔ نے مولانا غلام امام شہیدؔ سے اپنے خاص ظریفانہ انداز میں دریافت کیا آپ شہیدؔ کب سے ہوئے اور کیوں کر ہوئے۔ غلام امام نے فرمایا کہ جب سے کافر غالب ہوئے" اور مرزا کا یہ شعر لکھ کر بھیج دیا ؎

پاس ما دیزا اے پدر فرزند آذر را نگر
ہر کس کہ شد صاحب نظر دینِ بزرگاں خوش نکرد

مرزا مسکرا کر رہ گئے۔

مرزا غالبؔ اور مولانا فیض الحسن فیضؔ سہارنپوری مشاعرے سے لوٹے ہر دو

صاحب باتیں کرتے ہوئے ایک تنگ کوچے سے گزرے۔ راہ رو کے ہوتے ایک گدھا کھڑا تھا۔ مولانا نے کہا مرزا صاحب دلّی میں گدھے بہت ہو گئے ہیں۔ مرزا صاحب نے بیساختہ کہا نہیں مولانا باہر سے آجاتے ہیں۔ مولانا بہت خفیف ہوئے۔

مرزا اسد اللہ خاں غالب سے اور خان بہادر ذوالقدر خواجہ غلام غوث بیخبر الہ آبادی سے گہرے مراسم تھے۔ ان کو خط میں ایک شعر قائم چاندپوری کا تصرف کر کے اس طرح لکھا ؂

ان دلفریبیوں پہ نہ کیوں اس پہ پیار آئے
روٹھا جو بے گناہ تو بے عذر من گیا

قائم کا شعر ہے ؂

ظالم تو مری سادہ دلی پر تو رحم کر
روٹھا تھا تجھ سے آپ ہی اور آپ من گیا

قاطع برہان میں یوں تو مرزا نے بہت سی قسم ظریفیاں کی ہیں۔ مگر بعض جگہ بہت ہی خوب ہیں چنانچہ ایک جگہ محمد حسین دکنی مولف برہان قاطع نے آذر بروزن مادر لکھ کر معنے بیان کئے ہیں۔ مرزا نے لکھا ہے کہ اوّل تو آذر کے وزن ہی کی کونسی ضرورت پڑی تھی۔ اور اگر ضرورت تھی اور اس کے بغیر کام ہی نہ چلتا تھا۔ تو چادر بھی

اس کا ذدن تھا۔ پھر اس کے بعد یہ فقرہ لکھا ہے۔ "چادر را گذاشتن و مادر را آوردن بجیائی است"۔

نہ معلوم مرزا کو برہانِ قاطع کے مصنف سے کتنا زبردست اختلاف تھا کہ ایک دو جگہ نہیں سینکڑوں جگہ ایسے ایسے زبردست فقرے جست کئے ہیں کہ پڑھنے والے کو مجبوراً ہنسنا پڑتا ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں: "چوں شناسائی حقیقت جوہر لفظ مدار فرہنگ چرانے نگارد۔ بوریا مے یافت۔ رسی مے تافت ہیزم مے فروخت گلخن مے افروخت" یعنی جب لفظ و معنی کی حقیقت نہیں پہچانتا تو پھر فرہنگ نویسی کی زحمت کیوں برداشت کی۔ بوریا بنتا۔ رسی لکڑیاں بیچتا بھاڑ جھونکتا"۔

ایک دن شام کا وقت تھا۔ سورج چھپنے والا تھا مرزا کا کھانا گھر میں سے آیا۔ کھانے میں اور کچھ نہ تھا۔ صرف شامی کباب تھے، مرزا کھانے لگے، مولانا حالی وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ تہذیباً رومال ہلانے اور مکھیاں جھلنے لگے۔ مرزا نے کہا کہ بھیا تم بیکار تکلیف کرتے ہو۔ میں ان کبابوں میں سے تمھیں کچھ بھی نہ دوں گا۔ مولانا حالی ہنس پڑے۔ اس پر مرزا نے یہ لطیفہ بیان کیا کہ نواب عبدالاحد خاں کے دسترخوان پر ان کے مصاحبوں اور عزیزوں اور دوستوں کے لئے ہر قسم کے کھانے

چنے جاتے تھے۔ مگر خاص نواب صاحب کے لئے ہمیشہ ایک خاص چیز تیار ہوتی تھی وہ صرف اسی چیز کو کھاتے تھے۔ دوسرے کھانوں کی طرف کبھی توجہ نہیں کرتے تھے ایک دن ان کے لئے مزعفر پکا تھا۔ وہی ان کے سامنے لگایا گیا۔ مصاحبوں میں ایک ڈوم بہت منہ چڑھا تھا۔ نواب صاحب نے اس کو کھانا دینے کے لئے خالی پلیٹ مانگی۔ پلیٹ کے آنے میں دیر ہوئی۔ نواب صاحب کھانا کھاتے جاتے تھے اور خالی رکابی برابر مانگ رہے تھے۔ وہ ڈوم نواب کے سامنے رومال بچھانے لگا۔ اور بولا کہ حضور دوسری پلیٹ کی ضرورت کیا ہے۔ اب یہی خالی ہوئی جاتی ہے۔ نواب یہ سن کر ہنستے ہنستے لوٹ گئے اور رکابی اسی کی طرف سرکا دی۔

مرزا کے سامنے کسی نے شراب کی مذمت کی۔ مرزا نے کہا۔ کیوں آخر اس میں کیا برائی ہے۔ انھوں نے کہا۔ حضرت پہلی برائی تو یہی ہے کہ شرابی کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ مرزا نے کہا ٹھیک ہے۔ مگر ذرا یہ تو بتاؤ کہ جس کے پاس شراب موجود ہے۔ پھر اس کم بخت کو اور کون سی دعا کی ضرورت ہے۔

غدر کے بعد جب پنشن بند ہو گئی تھی اسی زمانے میں ایک روز پنڈت موتی لال مرزا سے ملنے آئے۔ شدہ شدہ پنشن کا ذکر آیا۔ مرزا بولے۔ جناب عمر میں ایک دن شراب نہ پی ہو تو کافر، ایک دن نماز پڑھی ہو تو گنہگار۔ پھر معلوم

سرکار نے کیوں مجھے باغی مسلمان سمجھا اور کیوں میری پنشن بند کی۔

ایک مرتبہ مرزا گھر میں جانے لگے تو دیکھا بیگم صاحبہ عین صحن میں مُصلاّ بچھائے ہوئے نماز پڑھ رہی ہیں۔ مرزا صاحب یہ دیکھ کر دروازے پر ٹھہر گئے۔ جب وہ نماز پڑھ چکیں تو آپ نے جوتا اتار کر سر پر رکھا اور برہنہ پا آہستہ آہستہ ڈرتے جھجکتے ہوئے صحن تک آئے۔ بیگم نے یہ حالت دیکھی تو مسکرا کر تعجب سے پوچھا۔ یہ کیا۔ آپ نے جواب دیا کہ کچھ نہیں آپ کے مُصلاّ کی تعظیم و تکریم منظور ہے۔ انھوں نے تشریح چاہی تو آپ نے جواب دیا کہ اب تمام صحن تو مسجد ہوگیا۔ پھر اگر کوئی قدم رکھے تو کہاں اور کرے تو کیا کرے۔ اس لئے جوتا اتار کر سر پر رکھ لیا ہے۔

ایک مرتبہ مغفرت کا کچھ ذکر چلا۔ بیوی نے کہا کہ آپ تو کبھی نماز بھی نہیں پڑھتے روزہ تو خیر بہت بڑی چیز ہے۔ آپ نے کہا کہ خیر یہ تو ٹھیک ہے مگر تم سے ہمارا حشر اچھا ہوگا انھوں نے پوچھا کہ یہ کیوں ؟ تو آپ نے کہا کہ آپ تو انہی نیلے تہجد والوں کے ساتھ ہوں گی جن کے تہمد کے پلّو میں مسواک بندھی ہوگی ساتھ میں ایک لُٹیا اور ہندھنی ہوگی۔ سر منڈے ہوئے ہوں گے۔ اور ہمارا حشر بڑے بڑے جلیل القدر عالی نسب بادشاہوں کے ساتھ ہوگا جیسے فرعون، نمرود، شداد

اور مونچھیں چڑھاتے اکڑتے ہوئے چلے جارہے ہوں گے۔ چار فرشتے ادھر جلو میں ہوں گے چار ادھر۔

ایک روز کسی سے کہنے لگے کہ کیوں صاحب ہم تو مرد ہیں۔ ہمارا نماز پڑھنا ٹھیک ہے۔ ہم نماز پڑھتے ہیں تو اس لیے پڑھتے ہیں کہ حوریں ملیں غلماں ملیں یہ عورتیں آخر کیوں نماز پڑھتی ہیں اور انھیں کن کی تلاش ہے۔

ایک روز کسی صحبتِ شعر و سخن میں مولانا صہبائی کا ذکر آیا۔ مرزا نے کہا کہ مولانا نے بھی کیا عجیب و غریب تخلص رکھا ہے۔ عمر بھر میں ایک چلو بھی پینا نصیب نہیں ہوئی۔ اور صہبائی تخلص رکھا ہے۔ سبحان اللہ قربان جائیے اس اتقا کے اور صدقے جائیے اس تخلص کے۔

مرزا کے ایک عاشق مزاج دوست جو پہلے کسی کے حلقۂ گیسو کے اسیر تھے اور اب تائب ہو کر حج کو جارہے تھے ..... مرزا سے ملنے کے لئے آئے مرزا نے ہنس کر کہا کہ غرض کوچہ گردی کی عادت نہ گئی اور دشت پیمائی کا چسکا نہ چھٹا۔ جب یوں مارے مارے پھرتے تھے اور اب یوں مارے مارے پھرو گے

ایک مرتبہ آپ کسی کتب فروش کی دکان پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں ایک نوجوان ایرانی آیا اور دکاندار سے دریافت کیا کہ دیوان غالب داری۔ دکاندار نے جواب دیا کہ دیوان غالب نہ دارم، دیوانِ ظہوری دارم، دیوان نظیری دارم۔ ایرانی نے کہا کہ نے ایشہم مطلوب نیست دیوان غالب داری۔ آں قدر ساقی خوب میگوید۔ دکاندار نے کہا کہ دیوان غالب نہ دارم۔ غالب دارم۔ جب اس نے سنا کہ غالب دارم اور مرزا کو دیکھا تو بہت ہی شرمندہ ہوا۔ مرزا ہنس کر یہ کہتے ہوئے لپٹ گئے کہ شرمانے کی بات نہیں ہے۔ واللہ ساری عمر میں سچی داد آج ہی ملی ہے۔

مارچ ۱۹۳۱ء کے رسالہ ادبی دنیا میں سید ناصر نذیر صاحب فراق دہلوی نے مرزا کا ایک عجیب و غریب لطیفہ لکھا ہے:۔

"ایک دن میرے میاں حافظ داؤد کے گھر پر کنور ابراہیم علی خاں صاحب رئیس اترولی ضلع بلند شہر سے ملنے گئے۔ کنور صاحب نے میرے میاں سے کہا کہ نواب صاحب مرزا نوشہ صاحب سے ملے ہوئے کئی دن ہو گئے ہیں۔ صبح کا سہانا وقت ہے چلئے ہم اور آپ مرزا صاحب سے مل آئیں۔ نواب صاحب نے کہا کہ بسم اللہ۔ اور دونوں صاحب، مرزا صاحب کے مکان پر پہونچے۔ دیکھا کہ دیوان خانہ خالی پڑا بھائیں بھائیں کر رہا ہے۔ نہ خود بدولت ہیں، نہ میاں کلیان نہ خدمتگار۔ انگنائی میں مونڈھے بچھے ہوئے تھے۔ دونوں صاحب ان پر بیٹھ کر انتظار کرنے

لگے۔ یکایک مرزا صاحب بیت الخلاء سے اس ہیئت کے ساتھ برآمد ہوئے: ننگے سر گلے میں ململ کا ڈھیلا ڈھالا کرتہ، ایک برکا پاجامہ، پاؤں میں کف پائیاں اور سیدھے ہاتھ میں برانڈی کی خالی بوتل۔ مرزا صاحب کے ہاتھ میں بوتل دیکھ کر ان دونوں صاحبوں کو تاب نہ ہوئی۔ اور ہنسی کے مارے لوٹ گئے۔ ہنستے ہنستے گلے میں اچھو لگ گیا۔ مرزا صاحب بھی ان کے پاس ایک مونڈھے پر بیٹھ گئے اور مزاج پرسی ہونے لگی:۔

نواب صاحب:۔ کیوں؟ کا اب پینے کا شوق اتنا بڑھ گیا ہے کہ بیت الخلاء میں بھی بوتل ساتھ جانے لگی۔

مرزا صاحب:۔ توبہ کیجئے توبہ، اپنے منہ پر تھپڑ ماریئے۔ شراب جیسی پاک چیز بیت الخلاء میں نہیں جا سکتی۔ میں اس کی حرمت خوب جانتا ہوں۔

نواب صاحب:۔ تو پھر یہ بوتل آپ بیت الخلاء میں کیوں لے گئے تھے؟

مرزا صاحب:۔ آپ ان باتوں کے پیچھے نہ پڑیئے۔

مگر نواب صاحب اور کنور صاحب نے نہ مانا۔ اور خدا رسول کا واسطہ دیا کہ راز بتا ہی دیجئے۔ تو مرزا صاحب نے ایک آہ کھینچ کر کہا کہ میں آج صبح اٹھا تھا اور جائے ضرور جانے کا ارادہ تھا۔ صحن چبوترے کے کونے پر خدمتگار آفتابہ تانبے کا پانی سے لبریز رکھ کر چلا گیا تھا۔ ایک فقیر دیوان خانہ میں گھس آیا اور کہنے لگا کہ نواب صاحب کے دم قدم کی خیر! ایک چراغ دلوایئے۔ میں نے کہا کہ

بابا اس وقت تو کچھ حاضر نہیں ہے۔ معاف فرمائیے۔ میں نے ہر چند یقین دلایا کہ اس وقت پیسہ نہیں ہے۔ مگر اس نے نہ سنا میں نے کہا یہ تلنبے کا آفتابہ موجود ہے لے جائیے۔ فقیر نے آفتابہ کا پانی پھینکا۔ آفتابہ جھولی میں ڈالا اور چل دیا۔ اس میں تقاضائے حاجت کا وقت قریب آگیا۔ تو میں نے اس خالی بوتل میں پانی بھرا اور جائے ضرور میں طہارت کے لئے گیا۔ طہارت کر کے باہر آتا تھا کہ آپ دونوں صاحب وارد ہوئے اور ہاتھ دھو کے میرے پیچھے پڑ گئے کہ بتایئے بوتل شریف بیت الخلاء میں کیوں گئی تھی۔

مرزا کے ایک مصرعہ پر ناطق مکرانی نے اعتراض کیا۔ مصرع یہ ہے ع

خوک شدہ پنجہ زدن ساز کردن

اعتراض یہ تھا کہ خوک کے پنجہ نہیں ہوتا۔ مرزا صاحب کو یہ لکھ کر بھیجا۔ مرزا نے جواب میں لکھ بھیجا کہ آپ کی بندہ نوازی ...... اور آپ کی اصلاح کا ممنون ہوں خیر میں اس کو بدل دوں گا معاف کیجئے میں نے سوروں کا کاروبار نہیں کیا اس لئے مجھے معلوم نہ تھا۔

ایک دن مرزا غالب فتح الملک بہادر سے ملنے گئے۔ جب غلام گردش میں پہونچے تو خدمتگار نے صاحب عالم کو اطلاع دی کہ مرزا نوشہ صاحب آرہے ہیں۔ وہ کسی کام میں مصروف تھے فوراً نہ بلا سکے۔ مرزا غالب

وہیں ٹہلتے رہے۔ صاحب عالم نے کچھ دیر بعد ملازم سے پکار کر فرمایا۔ ارے دیکھ مرزا صاحب کہاں ہیں۔ مرزا غالبؔ نے وہیں سے جواب دیا۔ غلام گردش میں ہے۔ صاحب عالم ہنستے ہوئے نکل آئے اور ساتھ لے آئے۔

مرزا صاحب سے کہا گیا کہ آپ ثقل سماعت کا علاج نہیں کرتے۔ مرزا صاحب نے جواب دیا کہ دو وجہوں سے۔ ایک تو یہ کہ زندگی میں بہشتی ہو گیا۔ دوسرے مرنے کے بعد جب نکیرین سوال کریں گے من ربک و ما دینک تو عذر گراں گوشی سے ہاں ہوں کر کے ٹال دوں گا۔